ہندوستان میں دعوتِ دین

مسائل اور امکانات

ڈاکٹر سید شاہد علی

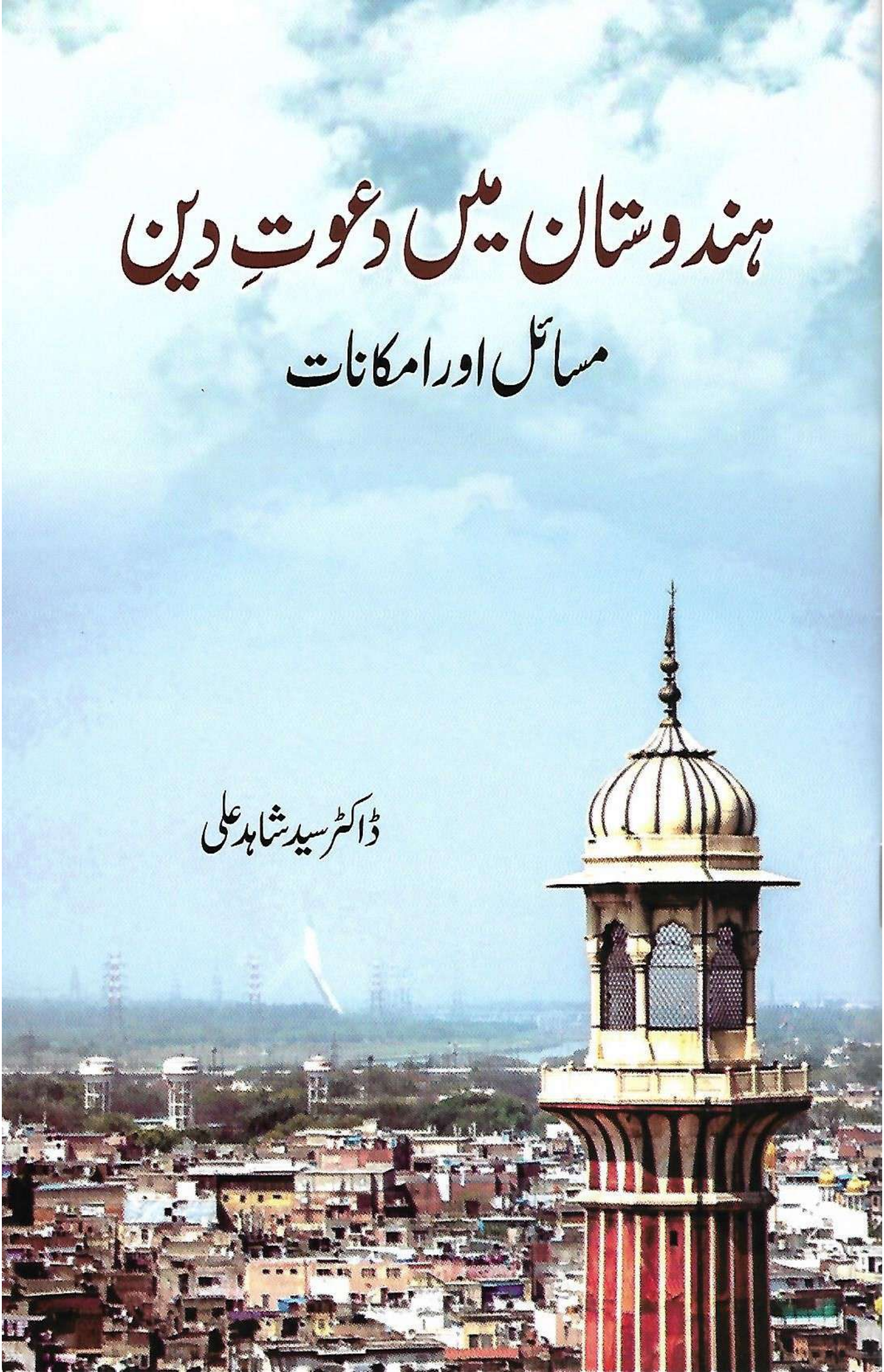

ہندوستان میں دعوتِ دین

مسائل اور امکانات

ڈاکٹر سید شاہد علی

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔۲۵

ترتیب

دیباچہ ۵
ہندوستان میں دعوتِ دین ۹
دین کیا ہے؟ ۹
دعوت دین کیا ہے؟ ۱۰
دعوت دین کیوں ہے؟ ۱۰
دعوت دین کس کی ذمہ داری ہے؟ ۱۱
دعوت دین: فرض عین اور فرض کفایہ ۱۳
دعوت دین کیسے ہو؟ ۱۳
آداب دعوت ۱۵
داعی کی صفات ۱۸
ہندوستان کی شرعی حیثیت ۲۱
ہندوستان میں دعوت دین کی راہ میں حائل مسائل ۲۲
ہندوستان میں امکانات دعوت ۲۸
ہندوستان میں دعوت دین کے لیے چند تجاویز ۴۱
ماخذ ۴۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اسلام کے لغوی معنی ''اطاعت'' اور اصطلاحی معنی ''اللہ کی مکمل اطاعت'' (The Complete Obedience to Allah) ہیں۔

ہر انسان اپنی زندگی کے ایک بڑے حصہ میں خالق کی اطاعت کر رہا ہے۔ مثلاً وہ منہ سے ہی کھا سکتا ہے کان سے نہیں، پیر سے ہی چل سکتا ہے سر سے نہیں وغیرہ۔ انسان کی یہ اطاعت ''اطاعتِ مجبوری'' (Obedience by compulsion) کہلاتی ہے۔ جب انسان اپنی زندگی کے اس حصہ میں جس میں اسے آزادی حاصل ہے، خالق کی اطاعت کرتا ہے۔ مثلاً جھوٹ بول سکتا ہے مگر جھوٹ نہ بول کر سچ بولتا ہے، دھوکا دے سکتا ہے مگر دھوکا نہ دے کر مدد کرتا ہے وغیرہ۔ تب انسان کی یہ اطاعت ''اطاعتِ اختیاری'' (Obedience by choice) کہلاتی ہے۔

اس طرح انسان اپنی زندگی میں اطاعت مجبوری کے ساتھ جب اطاعت اختیاری کو ملا دیتا ہے، تب اس کی زندگی خالق کی مکمل اطاعت بن جاتی ہے اور ''اسلام'' کہلاتی ہے۔ البتہ انسان کی یہ اطاعت اختیاری خالق کی نگاہ میں تب ہی مقبول ہے جب وہ خالق کے ہی بتائے گئے طریقے کے مطابق ہو نہ کہ انسان کے خود وضع کردہ طریقے کے مطابق۔

عصر حاضر میں اسلام کو سمجھنے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ اسلام کو خود اس کے اصل ماخذ (قرآن وحدیث) کی روشنی میں سمجھا جائے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسلام کو اس کے ماننے والوں یعنی مسلمانوں کے رویے یا طرزِ عمل (muslim behaviour) سے سمجھا جائے۔ جب کوئی اسلام کو اس کے اصل ماخذ (قرآن وحدیث) سے سمجھتا ہے اور اس کی روشنی میں اسلام

کے ماننے والوں یعنی مسلمانوں کا جائزہ لیتا ہے تو لامحالہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ مسلمانوں میں اصلاح کی ضرورت ہے نہ کہ اسلام میں۔ لیکن جب کوئی اسلام کو اس کے ماننے والوں یعنی مسلمانوں کے رویے یا طرزِ زندگی سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو لامحالہ اس غلط نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اسلام میں اصلاح کی ضرورت ہے نہ کہ مسلمانوں میں۔

درحقیقت اسلام کو سمجھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو اس کے اصل ماخذ (قرآن وحدیث) کی مدد سے سمجھا جائے۔ کیوں کہ قرآن محفوظ ہے یعنی اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے اور حدیث اس کی مستند تشریح ہے۔

دور حاضر میں غیر مسلم اور بعض مسلم جب اسلام کو اس کے اصل ماخذ (قرآن وحدیث) کی مدد سے سمجھتے ہیں تو اعتراف کرتے ہیں کہ یہ بہترین مذہب ہے۔ مگر جب اسلام کے ماننے والوں یعنی مسلمانوں کی اکثریت کو دیکھتے ہیں تو اعلان کرتے ہیں کہ یہ بدترین قوم ہے۔ دراصل مسلمانوں کے بارے میں اس تجربہ واحساس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اسلام کا ایک عملی نمونہ پیش کرے۔ جب کہ یہ کبھی بھی ممکن نہیں ہوسکا۔ اور نہ ہوسکتا ہے، کیوں کہ مسلمان ہونا کوئی غیر متغیر حالت (Permanent Stage) نہیں ہے۔

جب کوئی شخص کلمہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھ کر اسلام میں داخل ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسے اپنا عقیدہ (توحید، ملائکہ، کتب سماویہ، نبوت، آخرت اور تقدیر) صحیح کرنا ہوتا ہے اور پھر فرائض (صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ اور حج) کی پابندی کرنی ہوتی ہے۔ اور پھر حقوق (والدین، رشتے داروں، پڑوسیوں، مسلمانوں، انسانوں، جان داروں، غیر جان داروں اور نفس) کی ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک مسلمان جب ۱۰۰ فی صد عقائد کو مانتا ہے، ۱۰۰ فی صد فرائض کی پابندی کرتا ہے اور ۱۰۰ فی صد حقوق کی ادائیگی کرتا ہے تو اس وقت وہ ۱۰۰ فی صد یا ۱۰۰ فی صد ڈگری کا مسلمان ہوتا ہے۔ مگر جب وہ کسی دوسرے وقت اس میں کمی بیشی کرتا ہے۔ مثلاً ۸۰ فی صد عقائد کو مانتا ہے، ٦۰ فی صد فرائض کی پابندی اور ۴۰ فی صد حقوق کی ادائیگی کرتا ہے تو اس وقت وہ ٦۰ فی صد یا ٦۰ ڈگری کا مسلمان ہوتا ہے۔ اس طرح کبھی وہ ۸۰ ڈگری، کبھی ۴۰ ڈگری، کبھی ۹۰ ڈگری وغیرہ کا مسلمان ہوتا ہے۔ اس کی اس حیثیت کا فیصلہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا

ہے اور کسی انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ اس کا تعین کرے کہ کون کتنے ڈگری کا مسلمان ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسی مسلمان کے بارے میں یہ یقین نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ ۱۰۰ فی صد یا ۱۰۰ ڈگری کا ہی مسلمان رہے گا۔ کوئی بھی برا مسلمان اپنے عمل کی بنیاد پر کبھی بھی اچھا بن سکتا ہے اور کوئی بھی اچھا مسلمان اپنے عمل کی بنیاد پر کبھی بھی برا بن سکتا ہے۔ اس لیے کسی بھی مسلمان کو مکمل نمونہ نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ صرف اور صرف نمونہ کی تو ایک ہی شخصیت ہے اور وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے، جن کے بارے میں خود اللہ رب العزت فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)

''یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔''

ہر انسانی سماج دو چیزوں سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ ایک مذہب اور دوسرے سیاست۔ عصر حاضر کا المیہ یہ ہے کہ مادیت پرستی کے اس دور میں دولت کی کمی کی وجہ سے اہل اور باصلاحیت لوگ مذہب سے دور ہو گئے ہیں۔ اس کے برعکس دولت کی زیادتی کی وجہ سے نا اہل لوگ سیاست سے قریب ہو گئے ہیں۔ نتیجہ سماج میں مذہبی و سیاسی انتشار بڑھتا جا رہا ہے۔

حضورؐ ایک مذہبی رہ نما بھی تھے اور ایک سیاسی رہ نما بھی۔ آپؐ کے بعد خلفائے راشدین مذہبی رہ نما بھی تھے اور سیاسی رہ نما بھی۔ مگر ان کے بعد بنوامیہ کے زمانے سے جو لوگ مذہبی رہ نما تھے وہ سیاسی رہ نما نہ رہے اور جو سیاسی رہ نما تھے وہ مذہبی رہ نما نہ رہے۔ اس طرح مذہب اور سیاست رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ اور سماج میں یہ غلط تصور رائج ہوا کہ جو مذہب کی طرف جائے گا وہ دنیا میں مفلس اور آخرت میں غنی ہو جائے گا اور جو سیاست کی طرف جائے گا وہ دنیا میں غنی اور آخرت میں مفلس ہو جائے گا۔ اس طرح جہاں مذہب اور سیاست کی تفریق ہوئی وہیں دین و دنیا کی بھی تفریق ہو گئی۔ مزید یہ کہ مذہب اور سیاست کی تفریق ہوئی وہیں دین و دنیا کی بھی تفریق ہو گئی۔ مزید یہ کہ مذہب اور سیاست کی طرف لے جانے والے علوم میں بھی یہ تفریق در آئی اور علم بھی دینی اور دنیاوی علم میں تقسیم ہو گیا۔ جب کہ یہ بات سراسر اسلامی تعلیمات کے برعکس تھی۔ اسلام کی نظر میں دین اور دنیا میں کوئی تفریق نہیں ''بلکہ دنیا کے صحیح استعمال کا نام ہی دین ہے۔'' اسلام انسانی زندگی کے دونوں پہلوؤں (دینی اور دنیاوی) میں کامیابی کی بات

کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود انسانوں کو اپنے سے یہ دعا مانگنے کی تعلیم دیتے ہیں:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (البقرہ:۲۰۱)

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے۔''

دنیا اور آخرت کی بھلائی تب ہی ممکن ہے جب علم و عمل دونوں ساتھ ہوں۔ اسی لیے اسلام نہ صرف یہ کہ علم کے حصول کی بات کرتا ہے بلکہ عمل سے بھی اس کا رشتہ جوڑتا ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ''کوئی قول ٹھیک نہیں جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو، پھر کوئی قول و عمل ٹھیک نہیں ہوتا جب تک نیت صحیح نہ ہو اور کوئی قول و عمل اور نیت ٹھیک نہیں ہوتی جب تک کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طریقہ سنت کے مطابق نہ ہو۔''

ڈاکٹر سید شاہد علی

(پروفیسر)

شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی۔ ۲۵

drali1@rediffmail.com

ہندوستان میں دعوتِ دین

دین کیا ہے؟

خالق انسان نے انسان کو اس کا مقصد حیات بتانے اور صحیح زندگی گزارنے کا طریقہ سکھانے کے لیے اپنے نمائندوں یعنی انبیا کو بھیجا۔ ان انبیا نے خالق کے اس پیغام کو انسانوں تک پہنچایا کہ یہ عارضی زندگی ایک امتحان کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس زندگی میں انسان کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ نیکی و بدی میں سے وہ جسے چاہے چنے۔ اس کے اعمال کی بنیاد پر مرنے کے بعد کی ابدی زندگی میں اسے جنت یا دوزخ کی شکل میں جزا یا سزا ملے گی۔

انبیا کی اس کڑی کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتی ہے اور خاتمہ حضرت محمد ﷺ پر ہوتا ہے۔ ان سب ہی انبیا نے انسانوں کو ایک ہی دین کی تعلیم دی۔ جس میں خالق واحد پر ایمان لاکر اس کے مکمل اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی اطاعت اور بندگی اختیار کرنا، اس کے بھیجے ہوئے قوانین پر عمل کرنا، اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنا اور آخرت کو ماننا شامل تھا۔[1] یعنی خالقِ انسان کے ذریعہ حیات انسانی کے لیے دیا گیا طرزِ فکر و عمل ہی دین ہے۔

اس زمین پر جو دین سب سے پہلے آیا وہ ایک ہی تھا جسے ہر نبی اپنی زبان میں منتقل کر کے بولتا رہا۔ جیسے ہندو دھرم کی زبان سنسکرت میں اسے ''سروسمرپڑ'' کہا گیا اور آخری نبیؐ کی زبان عربی میں اسے ''اسلام'' (یعنی خالق کی مکمل اطاعت) کہا گیا۔ دراصل نسل انسانی کا ایک

(۱) غیر مسلم ذہن کے شبہات اور ہمارا موقف، پروفیسر عمر حیات خاں غوری، ص ۹، ۱۰

ہی دین ہے جو اس کو اس کے خالق کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ بتاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ خالق نے انسان اور اس کی فطرت کو بنایا اور انسان کو اس کی زندگی اس کی بناوٹ کے مطابق صحیح گزارنے کے لیے گائڈلائن (Guidelines) دیں۔ گویا دین (یعنی اسلام) فطرتِ انسانی کی تشریح کا دوسرا نام ہے۔

دعوتِ دین کیا ہے؟

دین کی دعوت وتبلیغ کو قرآن میں ''دعوت الی اللہ'' کہا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی طرف بلانا۔ انسانوں کو اس کے خالق سے جوڑنا اور اسے اس کے خالق کی طرف سے بتایا گیا زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ بتانا۔

اللہ کی طرف بلانے سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اس کے خالق کے تخلیقی منصوبے سے آگاہ کیا جائے۔ اسے بتایا جائے کہ خالق کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے اور خالق آئندہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے۔ یہ گویا انسان کو اس کے خالق سے متعارف کرانے کا ایک کام ہے۔

دعوتِ دین کیوں ہے؟

ہر عقل مند آدمی اس بات کو مانتا ہے کہ اگر کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا نقصان ہوتے دیکھے تو اس کا انسانی واخلاقی فرض ہے کہ اپنی پوری طاقت سے اس کی مدد کرے اور اسے نقصان سے بچائے۔ جب عارضی جسم کی تکلیف سے بچانا انسانی فریضہ شمار کیا جاتا ہے تو ہمیشہ باقی رہنے والی روح کو دائمی عذاب سے بچانا کیا اس سے بھی کئی گنا زیادہ انسانی فریضہ شمار نہ کیا جانا چاہیے۔

فقہ کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی اندھا شخص کنویں کی طرف بڑھ رہا ہے اور اندیشہ ہو کہ اگر وہ اسی طرح چلتا رہا تو کنویں میں گر جائے گا۔ ایسی صورت میں نماز پڑھنے والے پر بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی نیت توڑ کر اسے بچائے۔ نیز ایسے موقع پر اسے ''کنواں کنواں'' کہنا چاہیے اور کوئی تمہیدی جملہ نہ بولنا چاہیے تا کہ بلا تاخیر اندھے کو متنبہ کیا جا سکے۔

اسی طرح اگر پوری انسانیت اپنی بے خبری کی بنا پر آخرت کے عمیق تر کنویں میں

گرنے جارہی ہو تو ایسی حالت میں اسلام کے نزدیک یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ کسی بھی چیز کو عذر بنائے بغیر انسانی قافلوں کی طرف دوڑا جائے، ان کو آنے والے عظیم خطرے سے باخبر کیا جائے قبل اس کے کہ وہ اس میں گر کر ہلاک ہو چکے ہوں۔ یہی وہ ذمہ داری ہے جس کے احساس نے حضورؐ کو ہر لمحہ بے چین کر رکھا تھا۔ آپؐ فرماتے ہیں:

> میری مثال ایسی ہے جیسی کہ کسی شخص نے آگ روشن کی لیکن جب اس نے اپنے گرد و پیش کو خوب روشن کر دیا تو پروانے اور یہ کیڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے اور وہ ہے کہ انھیں روک رہا ہے اور وہ ہیں کہ اس پر غالب آکر اس میں گھسے پڑتے ہیں تو (میری اور اپنی مثال ایسی سمجھو کہ) میں تمھیں آگ (میں پڑنے) سے روکتا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گھسے پڑتے ہو۔" (بخاری)

آپؐ کے انسانوں کی ابدی خیر خواہی پر مبنی اس جذبہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ③ (الشعراء:۳)

"شاید آپؐ ان کے ایمان نہ لانے پر غم سے اپنی جان دے دیں گے۔"

خیر خواہی کا یہی جذبہ دعوت کی نفسیاتی بنیاد ہے۔ جس طرح ایمان سے یقین کو جدا نہیں کیا جا سکتا اسی طرح یقین سے دعوت کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔

دعوتِ دین کس کی ذمہ داری ہے؟

خالقِ انسان اگر خود نہ چاہتا تو انسان کے پاس اس کے تخلیقی منصوبے کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ خالق کے لیے یہ بھی بہت آسان تھا کہ اپنے پیغام کی پیغام رسانی کے لیے پتھروں کو گویا کر دیتا، مگر وہ چاہتا تھا کہ انسانوں کے درمیان اس کے پیغام کی پیغام رسانی کا کام خود انسان ہی انجام دے، تاکہ التباس کا پردہ باقی رہے اور امتحان کی مصلحت مجروح نہ ہونے پائے۔ اس نے انسانوں میں سے ہی کچھ انسانوں کو اپنا نمائندہ یعنی نبی مقرر کیا اور ان پر اپنا پیغام بھیجا۔ اسی لیے دعوت دین کی سب سے پہلی ذمہ داری انبیا پر عائد ہوئی۔ مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں انبیا آئے، جنھوں نے اس ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔ یہاں تک کہ آخری نبی حضرت محمدؐ تشریف لائے۔ ان کی اس ذمہ داری کے بارے میں قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾ (الاحزاب:۴۵،۴۶)

''اے نبیؐ! ہم نے آپ کو بھیجا بتانے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور روشن چراغ بنا کر۔''

وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾ (الحج:۶۷)

''آپ اپنے رب کی طرف دعوت دو، یقیناً آپ سیدھے راستہ پر ہیں۔''

دعوت کے سلسلے میں جو ذمہ داری حضورؐ کی تھی ٹھیک وہی ذمہ داری آپ کے بعد آپ کی امت کی ہے۔ یہ کوئی اختیاری ذمہ داری نہیں ہے کہ کسی عذر کی بنا پر چھوڑ دی جائے بلکہ اس کو ہر حال میں ادا کرنا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

فُضِّلت هٰذِهِ الأمّة علىٰ سائر الأمَمِ (مسند احمد)

''یہ امت تمام امتوں سے افضل ہے۔''

امت کی یہ فضیلت صرف اس لیے ہے کہ اسے اس بھاری ذمہ داری کو ادا کرنا ہے جو اس سے پہلے خود پیغمبروں پر عائد ہوتی تھی۔ خاتم النبین ﷺ کے بعد یہ بھاری ذمہ داری امت پر عائد ہے اسی لیے اس کا مرتبہ بھی بلند رکھا گیا۔ پیغمبر کا جو مشن تھا وہی امت مسلمہ کا بھی مشن ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی نبوت کے آخری زمانہ میں اپنے اصحاب کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا:

''اے لوگو! اللہ نے مجھ کو تمام انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس تم میری طرف سے تمام لوگوں کو پہنچا دو۔''[1]

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اپنے اصحاب کو یہ ہدایت دی کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میرا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ[2]

''پس پہنچا دے جو حاضر ہے اس کو جو یہاں موجود نہیں۔''

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۹۷

(۲) فتح الباری، ج ۱، ص ۱۹۰

دعوت کی اسی اہمیت کے پیش نظر آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت مل جائے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔'' (بخاری)

اسلام کی یہی خیر خواہی کی صفت اس کی اشاعت وتبلیغ کی ضامن رہی ہے۔ ہر دور میں ایسا ہوا کہ جن لوگوں کے اوپر اسلام کی صداقت منکشف ہوئی وہ عین اسی کے ساتھ اس کے مبلغ بن گئے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۳۳)

''اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔''

دعوت دین: فرض عین اور فرض کفایہ

ہر ایک مسلمان کے لیے دعوت دین کا کام فرض عین کا درجہ رکھتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے قول وعمل سے حسب استطاعت غیر مسلموں تک اسلام پہنچائیں اور جب غیر مسلموں میں ابتدائی قبولیت نظر آئے اور تجسس بے دار ہو جائے تو اسلام میں گہری بصیرت حاصل کرنے کے لیے انفرادی واجتماعی سطح پر کام کرنے والے ماہرین اسلام سے ان کو رجوع کرائیں۔ اس طرح اسلامی نظریہ کی تعلیم دعوتی سطح پر فرض عین ہے۔ البتہ علمی وتربیتی سطح پر فرض کفایہ جو امت کی طرف سے ماہرین اسلام ادا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ (آل عمران: ۱۰۴)

''تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکتے رہیں اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔''

دعوت دین کیسے ہو؟

دعوت دین خیر خواہی کے ایک اعلیٰ جذبہ کا اظہار ہے اس لیے اسے نہایت حکمت

سے کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دعوت دین کے تین طریقے سکھائے ہیں:

اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ؕ (النحل:۱۲۵)

''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے۔''

دعوت دین کے لیے پہلا طریقہ حکمت کا ہے۔ حکمت سے مراد ہے درست وصائب کلام جو حسن تاثیر رکھتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو بات کہی جائے مدلل، مؤثر اور طمانیت بخش طریقہ سے کہی جائے۔ دراصل حکمت یہ ہے کہ مناسب حال کلام ہو اور اس میں مخاطب کی نفسیات کو ملحوظ رکھا جائے، دلیل و برہان کا طریقہ بھی اختیار کیا جائے اور وہ باتیں اس کے سامنے رکھی جائیں جن سے اس کے لیے اسلام کی طرف کشش پیدا ہو سکے۔ کم زور طبقے سے گفتگو ہو تو ان کے سامنے مساوات انسانی کے نظریہ کو پیش کیا جائے۔ انسانی جان و مال اور بنیادی حقوق کے سلسلے میں اور خود انسان کے مرتبہ اور شرف کے بارے میں اسلام کے تصورات کو پیش کیا جائے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو بھی مفصل طریقے سے بیان کیا جائے۔ اسلام کے عقیدۂ توحید کو مدلل طریقہ سے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جائے۔ عقیدہ آخرت و رسالت کے بارے میں بھی حکیمانہ طرز اختیار کیا جائے۔ اس حکمت کے ذریعہ سے غیر مسلموں کو خاص طور پر دعوت دینے کا طریقہ ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا طریقہ بہترین نصیحت (اَلۡمَوۡعِظَةُ الۡحَسَنَة) کا ہے۔ خاص طور پر مسلمانوں کے درمیان کام کرنے کے لیے یہ طریقہ مناسب ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ گفتگو اس انداز سے کی جائے کہ دلوں کا زنگ دور ہو اور آخرت کا خیال غالب ہو، گفتگو میں محبت و دل سوزی اور اخلاص وللّٰہیت ہو۔ مسلمانوں کو سمجھایا جائے کہ جب وہ خود کو مسلمان کہتے ہیں تو مسلمان بن کر عملی زندگی بھی گزاریں۔

تیسرا طریقہ بہترین طریقہ سے گفتگو (جدال احسن) کا ہے۔ یہ طریقہ بالعموم ان غیر مسلموں کے لیے ہے جو بحث و مناظرہ پر اتر آئیں۔ یہاں ضرورت پیش آتی ہے کہ کم زور دلائل کو قوی تر دلائل سے رد کیا جائے۔ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ دلیلیں پیش کی جائیں،

شبہات واعتراضات کا ازالہ موثر طریقہ سے کیا جائے۔"(۱)

دراصل جس خالق نے انسان کو بنایا اسی نے اسلام کو بھی اتارا۔ جس نہج پر انسانی فطرت کو بنایا گیا اسی نہج پر دین اسلام کو بھی وضع کیا گیا۔ اسی لیے دعوت کا عمل صرف یہ ہے کہ اسلام کو انسان کے قریب تک پہنچا دیا جائے۔ اس کے بعد انسان کی فطرت خود حرکت میں آجائے گی اور اپنے مطلوب کو اس طرح لے لے گی جیسے کہ وہ پہلے ہی سے اس کی منتظر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کسی خاص تبلیغی کوشش کے بغیر اپنے آپ پھیلتا جا رہا ہے اور یہ سب فطرت کے زور پر ہو رہا ہے۔

آدابِ دعوت

(۱) حضورؐ نے اپنے اصحاب کو دعوتی مہم پر روانہ کرتے وقت نصیحت فرمائی تھی کہ

یسّروا ولا تعسّروا بشّروا ولا تنفّروا (بخاری)

"تم لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو، تم انھیں مشکل میں نہ ڈالو، تم ان کو خوش خبری دو اور تم انھیں متنفر نہ کرو۔"

یعنی دعوت دین کا کام اس طرح کیا جائے کہ خود کے لیے بھی آسانی ہو اور دوسرے کے لیے بھی پریشانی نہ بنے۔ اس طرح دعوت دینے سے دین کی کشش میں اور اضافہ ہوگا، کیوں کہ یہی فطری اسلوب ہے۔

(۲) جس قوم میں دعوت دی جائے وہ انھی کی زبان میں ہو، سمجھنے میں عام و سہل ہو تا کہ اس سے استفادہ کیا جا سکے۔ قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ط

(ابراہیم: ۴)

"اور ہم نے جو پیغمبر بھی بھیجا اس کی قوم کی زبان میں تا کہ وہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کر دے۔"

---

(۱) دعوت اسلام، پروفیسر محسن عثمانی، ص ۱۳۳، ۱۳۴

(٣) دعوت کا عمل نرمی کے ساتھ ہونا چاہیے، کیوں کہ نرم رویہ رکاوٹ کو دور کرنے کا ضامن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِذۡهَبَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۴۳﴾ فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ اَوۡ یَخۡشٰی ﴿۴۴﴾ (طٰہٰ: ۴۳، ۴۴)

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے پس اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے۔''

(٤) دعوت دین میں تدریج کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے ورنہ مدعو کے گھبرا جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ حضورؐ نے خود اپنی دعوت کی ابتدا توحید سے کی، پھر رسالت اور پھر آخرت کی طرف آئے اور پھر عبادات کی طرف اور معاملات کی طرف آئے۔

(٥) دعوت دین میں تالیف قلب کی بڑی اہمیت ہے۔ حضورؐ نے غیر مسلموں کے ساتھ خاص طور پر تالیف قلب کا مطالبہ کیا۔ جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مدعو کے دل میں اسلام کے لیے نرم گوشہ (Soft Corner) پیدا ہو جاتا ہے اور وہ دعوت دین پر غیر متعصب طور پر غور کرتا ہے۔

(٦) دعوت کے عمل کو معتدل انداز میں جاری رکھنے کے لیے صبر کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ حضورؐ سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاصۡبِرۡ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسۡتَعۡجِلۡ لَّهُمۡ ؕ

(الاحقاف: ٣٥)

''پس تم صبر کرو جس طرح ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی نہ کرو۔''

(٧) دعوت کے سلسلے میں ہر طرح کی تکلیف پر پریشان نہ ہو کر صرف اور صرف اللہ پر ہی بھروسہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ سے فرماتے ہیں:

وَلَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ وَدَعۡ اَذٰىهُمۡ وَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ (الاحزاب:۴۸)

''اورتم منکروں اورمنافقوں کی بات نہ مانو اوران کے ستانے کونظرانداز کرواوراللہ پر بھروسہ رکھواوراللہ بھروسہ کے لیے کافی ہے۔''

(۸) مخالفین کی مخالفت سے اعراض کرتے ہوئے ان کی مخالفت کے باوجود ان کے خیرخواہ بنے رہنا اوراپنی ناصحانہ مہم کو جاری رکھنا۔ کیوں کہ دعوت ایک تعمیری کام ہے مخالفت سے اعراض اگر نہ کیا گیا تو مناظرہ وتکرار شروع ہوجائے گا جس سے مقصد فوت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ کے ذریعے تمام مسلمانوں سے کہتے ہیں:

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾

(النسآء:۶۳)

''تم ان (مخالفین) سے اعراض کرواوران کونصیحت کرواوران سے ایسی بات کہوجوان کے دلوں میں اتر جائے۔''

(۹) دعوت دین کے سلسلے میں اجتماعی ترقیوں سے استفادہ بھی بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ اس طرح عصر حاضر میں ذرائع خبررسانی اور آمدورفت کے استعمال سے کم وقت میں زیادہ لوگوں تک اپنی بات پہنچائی جاسکتی ہے۔

دورجاہلیت کے عرب دستور کے مطابق قوم کو غفلت سے بےدار کرنے اوراپنی طرف متوجہ کرنے اور خطرہ کی شدت کا اظہار کرنے کے لیے کوئی شخص پہاڑ پر چڑھتا، اپنے تمام کپڑے اتارتا اورنعرہ لگاتا۔ اسے ''النذیرالعریان'' کہا جاتا تھا۔ حضورؐ نے بھی لوگوں کو چوکنا کرنے کے لیے یہی طریقہ اپنایا لیکن ننگے ہونا چوں کہ ایک سخت بے حیائی اور بداخلاقی تھی اس وجہ سے آپؐ نے اس برائی سے اس طریقہ کو پاک کیا اور کپڑے نہیں اتارے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں جو مجلسی اور اجتماعی طریقے پیدا ہوچکے ہیں ان کی برائیوں کو ختم کرکے انھیں مقصدحق کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے۔

یہ تصور کہ پہلے اپنی مکمل اصلاح کرلیں پھر دعوت دین کا کام کریں گے، ٹھیک نہیں ہے۔ قرآن وحدیث میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ اسلام کو ماننے والے پہلے اپنی مکمل اصلاح کرلیں اس

کے بعد وہ غیر مسلموں کی اصلاح کے لیے اٹھیں۔ جب کہ شریعت میں برعکس طور پر یہ تعلیم ہے کہ تمہارے پاس دین کا ادھورا علم ہو تب بھی تم اس کو پہنچانے سے دریغ نہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَلِّغوا عَنِّی وَلو آیة (بخاری)

''میری طرف سے پہنچاؤ چاہے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔''

داعی کی صفات

داعی کی بیک وقت دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ مخاطب کی نسبت سے وہ ان کا خیر خواہ ہوتا ہے اور اللہ کی نسبت سے اس کا پیغام رساں۔ اس لیے اشد ضروری ہے کہ وہ حسب ذیل صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے اور ان پر قائم رہنے کی مسلسل کوشش کرتا رہے۔ دراصل ہر مسلمان داعی ہے اسے اپنے اخلاق و معاملات سے دوسروں کے لیے باعث کشش بننا چاہیے۔

(۱) سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ داعی کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ وہ ایک ایسا کام کر رہا ہے جس کے نتائج پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ اسلام کو اپنے قول و عمل سے پیش کرنے والا (Presenter) ہے نہ کہ دوسروں کا مذہب بدلنے والا (Converter)۔ داعی کی ذمہ داری اسلام کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو نبیؐ اور ان کی امت سے اس طرح فرمایا ہے:

اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ

(القصص:۵۶)

''تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ ۝۴۰ (الرعد:۴۰)

''تمہارے اوپر پوری طرح پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ حساب کی ذمہ داری ہم پر ہے۔''

وَمَا عَلَى الَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ وَّلٰـكِنۡ ذِكۡرٰى لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ۝۶۹ (الانعام:۶۹)

''ان لوگوں سے جو اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی بلکہ ان لوگوں کی ذمہ داری صرف یاددہانی کردینا ہے شاید وہ بھی ڈریں۔''

(۲) داعی کو یہ بات بھی یادرکھنی چاہیے کہ دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو پوری آزادی حاصل ہے کسی بھی راستہ کو اختیار کرنے کی یا نہ کرنے کی۔اس لیے اسے دعوت دین کے سلسلے میں جبر والا طریقہ اختیار کرنے سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرة:۲۵۶)

''دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں۔''

(۳) داعی کے لیے شدت پسندی سے احتراز بہت ضروری ہے، حتی الامکان ہر معاملہ میں اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ دوسروں کو رغبت اور حوصلہ افزائی (motivation) ہو نہ کہ نفرت وکراہیت۔

(۴) داعی کا طریقۂ دعوت فطری ہو اور دین سکھانے میں اسے ترتیب وتدریج کا خصوصی لحاظ رکھنا چاہیے۔

(۵) داعی کو یادرکھنا چاہیے کہ تمام انسان ایک آدمؑ کی اولاد ہیں لہٰذا سب بھائی ہیں اور سب کی جان ومال اور عزت وآبرو کو یکساں احترام وتحفظ حاصل ہے۔

(۶) داعی کو اپنی دعوت پر خود اعتمادی کے ساتھ کامل یقین ہو، تب ہی وہ اپنی دعوت کو برجستہ مخاطب کے سامنے پیش کرسکتا ہے۔

(۷) اسلام میں خفیہ ایجنڈا (hidden agenda) نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔اس لیے داعی کو لالچ یا خوف جیسے طریقوں کو نہیں اپنانا چاہیے۔

(۸) دنیا میں زیادہ تر اسلام تاجروں کے ذریعہ پھیلا۔تاجر کے اندر جو اخلاقیات ہوتی ہیں وہ داعی کی اخلاقیات ہیں۔بہترین داعی وہی ہے جو تاجر کی طرح مدعو کے ساتھ معاملہ کرے۔کیوں کہ:

''تجارت متشددانہ جذبات کی قاتل ہے۔تجارت اعتدال اور مفاہمت کو پسند کرتی ہے۔تاجر آدمی اس معاملہ میں نہایت محتاط ہوتا ہے کہ وہ غصہ سے اعراض کرے۔تاجر برداشت والا ہوتا ہے۔تجارت ایک تاجر کے اندر یہی صفات پیدا کرتی ہے۔''(۱)

---

(۱) دعوتِ حق، مولانا وحید الدین خاں، ص ۱۰۱

(۹) داعی کو اپنے اندر اخلاق حمیدہ کو پروان چڑھانے اور اخلاق رذیلہ کو قابو میں رکھنے کے لیے مسلسل جدو جہد کرتے رہنا چاہیے۔

(۱۰) داعی کو مخلوقِ خدا کے ساتھ سچی ہم دردی ہو۔ وہ یہ محسوس کرے کہ دوسروں کو خدا کی رحمت کے سایہ میں لائے بغیر وہ بھی خدا کی رحمت کے سایہ سے محروم ہے۔ اسے وسیع دل والا (broad minded) ہونا چاہیے نہ کہ تنگ دل (narrow minded)۔

(۱۱) داعی کو مختلف زبانوں کا علم ہونا خصوصاً رابطے کی زبان (link language) کا جاننا بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ حضورؐ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو سریانی زبان میں مہارت پیدا کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے سریانی میں خط و کتابت سیکھی اور یہود کے خطوط کے جواب دیے۔ (بخاری) داعی کے لیے مدعو قوم کی زبان کے ساتھ ساتھ ان کے مذہب سے واقفیت بھی ضروری ہے۔

(۱۲) حدیث میں مومن کے بارے میں آتا ہے:

ان یکون بصیرا بزمانه

''وہ اپنے زمانے سے آگہی رکھنے والا ہوتا ہے۔''

یعنی جب عام مومن کے لیے یہ ضروری ہے تو داعی کے لیے تو نہایت ضروری ہے کہ اس میں بہت زیادہ سماجی بے داری (Social awareness) ہو۔

(۱۳) داعی فضول کاموں سے بچنے والا ہوتا ہے۔ وہ اپنے وقت کا ذمہ داری کے ساتھ صحیح استعمال کرتا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں:

''آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے ہے اس کا اس چیز کو چھوڑ دینا جو بے فائدہ ہو۔'' (موطا، مسند احمد)

(۱۴) داعی کو سلیس و عام فہم زبان استعمال کرنی چاہیے اور کلام میں مبالغہ نہ کرنا چاہیے۔ حضورؐ نے تین مرتبہ فرمایا:

''ہلاک ہوئے کلام میں مبالغہ کرنے والے۔'' (بخاری)

(۱۵) داعی کو مخاطب کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے اپنے کلام کو ہر اس چیز سے پاک رکھنا چاہیے جو مخاطب کے اندر ضد اور مخالفت کا جذبہ پیدا کرے۔ گفتگو میں اسے قدرِ مشترک

تلاش کرنی چاہیے۔ غلط مسلمات پر بنیاد رکھنے اور الزامی طریق استدلال سے بالکلیہ احتراز کرنا چاہیے۔ داعی کو خاص طور پر اس بات کا شعور ہو کہ مختلف لوگوں سے مختلف طریقوں سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں:

''لوگوں سے ان کے اپنے مرتبے کے مطابق پیش آؤ۔'' (ابوداؤد)

(۱۶) داعی کو خصوصاً اور ہر مسلمان کو عموماً دوسرے مذاہب کی مقدس شخصیات کو برا کہنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اس طرح سننے کا ماحول ختم ہوتا ہے اور نفرت کا ماحول بنتا ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (الانعام:۱۰۸)

''اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیوں کہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔''

(۱۷) داعی کو دعوت دین کے دوران اللہ پر مکمل توکل کرتے ہوئے اس کی یاد سے غافل نہ ہونا چاہیے اور دعا و مناجات سے مدد حاصل کرنی چاہیے۔

ہندوستان کی شرعی حیثیت

دنیا کی تاریخ میں ہندوستان کو یہ منفرد مقام حاصل ہے کہ یہ اپنی ابتدا ہی سے مختلف ومتضاد مذاہب وتہذیبوں کا مرکز رہا ہے۔ انڈونیشیا کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ مسلمان ہندوستان میں بستے ہیں۔ اس ملک میں مسلمانوں کا دوسرے باشندوں کے ساتھ سماجی معاہدہ امن ہے جو دستور ہند کی شکل میں تحریری طور پر موجود ہے۔ دستوری طور پر مسلمان اس ملک میں برابر کے شریک ہیں۔ مسلمانوں کے لیے شریعت کی روشنی میں اس معاہدہ کا پاس ولحاظ رکھنا دوسروں سے زیادہ ضروری ہے۔

ہندوستان مسلمانوں کے لیے نہ دارالکفر ہے نہ دارالاسلام۔ یہ ملک مسلمانوں کے لیے دارالامن، دارالمعاہدہ اور دارالدعوۃ ہے۔

ہندوستان میں دعوت دین کی راہ میں حائل مسائل

(۱) ہندوستان میں دعوت کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کا مجموعی طور پر اخلاقی زوال ہے۔ مسلمان جب اپنے قول و فعل کے تضاد کے ساتھ یہ دعویٰ پیش کرتے ہیں کہ وہ بہترین مذہب ''اسلام'' کے حامل ہیں۔ تب غیر مسلم —— مسلم رویہ کی طرف دیکھتا ہے۔ اسے وہاں تنزل ہی تنزل نظر آتا ہے۔ چنانچہ اسے اس دعویٰ کے صحیح ہونے میں شک ہونے لگتا ہے۔ مسلمانوں کے طرز عمل سے اسلام کا سمجھا جانا ہی اسلام سے متعلق غلط فہمی پیدا کرنے کا اصل سبب بنتا ہے۔

(۲) ''دعوت کے سلسلے میں بعض لوگوں نے اسلام کے صحیح موقف کو نہیں سمجھا اور قرآن نے جس حیثیت سے اسے پیش کیا تھا اس طرح نہیں پیش کیا۔ قرآن کے مطابق اسلام تمام انسانوں کے لیے ہے۔ تمام نبیوں نے اسی کی دعوت دی اور آخری نبیؐ کے ساتھ ہی اس کی حفاظت کی ذمہ داری خالق نے خود لے لی۔ اس کے برعکس بعض مبلغین و مصنفین نے اسے مسلمانوں کے مذہب اور دوسرے مذاہب کے حریف کے طور پر پیش کیا۔ لہٰذا غیر مسلموں نے بھی اسلام کو یہ سمجھا کہ یہ ان کے دھرم کو چھین کر خود ان پر مسلط ہونا چاہتا ہے۔

(۳) اسلام کو پیش کرنے میں ایک غلطی یہ رہی کہ اس کو بحیثیت ایک نظام زندگی کے نہیں پیش کیا گیا جو زندگی کے تمام انفرادی، اجتماعی اور مابعد الطبیعی مسائل کو ایک وحدت میں پروتا اور سب کو عقل و فطرت کے مطابق حل کرتا ہے۔ بلکہ بعض مبلغوں و مناظروں نے چند ایسے مسائل پر سارا زور صرف کیا جو عیسائیوں یا ہندوؤں کے ساتھ مذہبی تصادم سے پیدا ہو گئے تھے۔ مثلاً تناسخ اور تثلیث وغیرہ کا مسئلہ۔

(۴) اسلام کو پیش کرنے کے سلسلے میں زیادہ تر جو لکھا گیا یا تو وہ خالص اکیڈمک قسم کی چیزیں ہیں یا مناظرانہ طرز کی یا معذرت خواہانہ انداز کی یا پھر متکلمانہ بحث واستدلال کے رنگ کی، جو دعوت دین کے مقصد کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں اور اسلام کی صحیح ترجمانی نہ کر سکیں۔

(۵) دعوت دین کے سلسلے میں ایک بڑی غلطی جو شاید مسیحی مشنریز کو دیکھ کر پیدا ہوئی وہ یہ کہ تبلیغ کے لیے پست حال طبقوں ہی پر نظر رکھی گئی۔ حالاں کہ تبلیغ میں اول خطاب ان طبقات سے ہونا چاہیے جن کے افکار ونظریات کی قیادت میں سوسائٹی کا نظام چل رہا ہے۔ یہی لوگ دراصل کسی قوم کو بناتے یا بگاڑتے ہیں۔ پست حال طبقوں میں اگر اصلاح ہو بھی جائے تو وہ بالکل عارضی ہوگی۔ ان کا مستقل مزاج بہت جلد ان خرابیوں کو پھر قبول کر لیتا ہے۔ کیوں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہنگامی اور انقلابی تحریکیں تو نیچے سے چل کر اوپر کے نظام کو درہم برہم کر ڈالتی ہیں لیکن ٹھوس اصلاحی اور عقلی دعوتیں اس وقت جڑ پکڑتی ہیں جب اوپر سے نیچے کی طرف اثر انداز ہوں۔

(۶) بعض مسلمانوں نے دعوت وتبلیغ کا ذریعہ صرف الفاظ کو بنایا، حقیقی اسلامی زندگی کا عملی مظاہرہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حالاں کہ مجرد اسلام کے اصولوں کی خوبی کی وجہ سے تو صرف تھوڑے سے ذہین اور غیر معمولی اخلاقی جرأت رکھنے والے لوگ ہی ایمان لا سکتے ہیں۔ دنیا کا بڑا حصہ تو اسی وقت ان اصولوں کی سچائی کا اقرار کرے گا جب عملی زندگی کے اندر ان کو ابھرتا اور اچھے نتائج پیدا کرتا ہوا دیکھے گا۔

(۷) بعض مسلمانوں نے دعوت دین کے لیے اسی طرح کے بعض اوچھے طریقے اختیار کیے جس طرح کے اوچھے طریقے دوسرے کچھ لوگ کر رہے تھے۔ مناظروں میں جو زبان درازیاں، کج بحثیاں اور دھینگا مشتیاں دوسروں نے کیں۔ بعض مسلمانوں نے ان میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہا۔

(۸) اس زمانہ میں چاہے کسی اور کام کے لیے مسلمان کسی قابلیت کی ضرورت سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں، مگر دو کاموں کے لیے وہ سرے سے کسی قابلیت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ایک امامت مسجد، دوسرا تبلیغ دین۔

بعض افراد تبلیغ کی ذمہ داری کو سمجھتے ہیں تو چندہ کر کے ایسے لوگوں کو تنخواہ پر رکھ لیتے ہیں

جو مناظرہ وتقریر کر سکتے ہوں اور دوسرے مذاہب کی ادھوری معلومات رکھتے ہوں چاہے اسلامی سیرت سے انھیں کوئی واسطہ نہ ہو۔اس طرح جو تبلیغ اسلام محض زبان درازی اور مناظرہ بازی کے بل پر ہوگی کیا اس کا کامیاب نتیجہ نکلے گا۔''(۱)

(۹) زیادہ تر مسلمان خوددین کے بارے میں صحیح معلومات نہیں رکھتے بلکہ ان کی تعلیم سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔اگر کچھ زیادہ شوق ہوا تو ایک باقاعدہ مطالعہ کے بجائے کچھ اِدھر سے پڑھ لیا کچھ اُدھر سے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کبھی پتی کو پھول سمجھتے ہیں اور کبھی پھول کو جڑ وغیرہ۔مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں:

> ''دراصل دین کے احکام وتعلیمات میں ایک نظم (System) ہے،اس کے کچھ بنیادی کلیات ہیں،ان سے کچھ مبادی پیدا ہوتے ہیں پھر ان سے اصولی تعلیمات پیدا ہوتی ہیں پھر ان سے جزئیات وفروع وجود میں آتی ہیں۔جو شخص اس ترتیب وتدریج کے ساتھ دین کو سیکھتا ہے وہ ایک طرف تو ہر مرحلہ میں دوسرے مرحلہ کے لیے اپنے اندر استعداد پیدا کر لیتا ہے اور دوسری طرف اس پورے سسٹم سے واقف ہو جاتا ہے جو اس کے اندر موجود ہے۔''(۲)

(۱۰) دعوت دین کے سلسلے میں بعض مسلم تحریکات نے دین کے صرف چند اجزا کا انتخاب کیا۔ یہ تحریکیں اسلام کے نام پر اپنے نظریات کی تبلیغ میں لگ گئیں جس سے اسلام کی ادھوری تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے،کوئی سیاسی اسلام لگتا ہے اور کوئی خانقاہی اسلام۔مسالک کے اختلافات نے اس خلیج کو اور گہرا کر دیا،کوئی بریلوی اسلام بن گیا اور کوئی دیوبندی اسلام۔ اس طرح غیر مسلم کا ذہن اور الجھتا ہے کہ صحیح اسلام کون سا ہے۔

(۱۱) بدقسمتی سے عوام نے جس طرح قرآن وحدیث کو مقدس مانا۔اسی طرح تفسیر وتشریح کو بھی مقدس اور غیر متغیر مان لیا۔نتیجہ ایک طویل جمود کی شکل میں سامنے آیا۔اس تقلیدی ماحول کو دیکھ کر غیر مسلموں کے حساس اور غوروفکر کرنے والے طبقہ نے اسلام کو ایک وقیانوسی مذہب سمجھا۔

---

(۱) دعوت دین اور اس کا طریقۂ کار، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، ص:۱۰-۲۱

(۲) ایضاً،ص:۶۵

(۱۲) ہندوستان میں مسلم وغیر مسلم بہت سے رہنماؤں نے اپنے سیاسی مفاد حاصل کرنے کے لیے مذہب کے نام کا استعمال کیا۔ یعنی politicisation of religion کی وجہ سے عموماً مذاہب کی اور خصوصاً اسلام کی امیج (image) خراب ہوئی۔ مزید یہ کہ عمومی طور پر مسلمانوں میں مذہبی شعور نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسلام پر لگائے گئے الزامات کا تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ اس طرح غیر مسلم ذہن کو مطمئن نہ کر پانا بھی دعوت کے راستے میں ایک رکاوٹ بن گیا ہے۔

(۱۳) ہندوستان میں حکومت کی غلط پالیسیوں اور بیانات کی وجہ سے کبھی کبھی ایسے مواقع کا پیدا ہو جانا جس سے دوسروں میں یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی religious loyalty ان کی state loyalty سے ٹکراتی ہے۔

(۱۴) ہندوستان میں بعض ہندو جماعتیں ایسی ہیں جو تنگ نظر اور کٹر متعصب نظریات کی حامل ہیں، اگر چہ یہ ہندو اکثریت کی نمائندہ نہیں ہیں۔ یہ اسلام سے متعلق شکوک، عدم اعتماد اور فرقہ واریت کو پھیلنے میں مدد دیتی ہیں جس سے اسلام کے صحیح افہام و تفہیم میں اڑچنیں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱۵) اسلام کی غلط تصویر پیش کرنے کا سہرا الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے سر بھی جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ ادارہ sensationalism کی بنیاد پر کام کرتا ہے اور اس کے نزدیک no news is good news ہے۔ مزید یہ کہ صاحب اقتدار لوگوں سے ان کے مفاد وابستہ ہوتے ہیں اس لیے بھی یہ تصویر کا ادھورا رخ دکھانے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱۶) ہندوستان میں پھیلے تو ہمات وحد سے زیادہ شخصیت و بزرگ پرستی کی وجہ سے اسلام indianised islam کے طور پر ابھر کر سامنے آیا جس میں آہستہ آہستہ وہ تمام خرابیاں پیدا ہو گئیں جس کی اصلاح کا وہ علم بردار تھا۔ اس طرح غیر مذاہب کے مقابلہ اس کی انفرادیت متاثر ہوئی۔

(۱۷) ہندوستان میں دعوت کے راستہ میں ایک رکاوٹ یہ بھی ہے کہ جب کوئی غیر مسلم قائل ہونے کے نزدیک پہنچتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ ہمارے پروج ایسا کرتے تھے۔ پروجوں کو نہ تو زندہ ہی کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کنوینس (convince)۔ اس طرح پروج حق کی قبولیت کے راستے میں ایک رکاوٹ (barrier) بن جاتے ہیں۔

(۱۸) غیر مسلموں کے دل میں اسلام کے لیے نرم گوشہ (Soft corner) کا پیدا نہ ہونا۔

یہ دراصل مسلمانوں کے اسلام کے ایک اہم اصول تالیف قلب سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔

(۱۹) مسلمانوں کا خود احتسابی کے بجائے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنا، مذہبی و معاشرتی معاملات میں حد سے زیادہ جذباتیت کا اظہار، معاشرہ میں غیر مسلموں کے ساتھ اجتماعی مسائل میں عدم تعاون کا رویہ اور خدمت خلق کے عمل کو چھوڑ دینا بھی دعوت دین کے راستہ میں ایک رکاوٹ بن گیا ہے۔

(۲۰) دعوت دین کے سلسلے میں عصر حاضر میں رائج ڈائیلاگ (dialogue) کے طریقے سے حسب ضرورت استفادہ نہ کرنا۔

(۲۱) مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کا معیاری نہ ہونا اور کنوینٹ (convents) کی طرح غیر مسلموں کے لیے باعث کشش نہ بننا۔ مزید یہ کہ مسلمانوں میں خود دینی و دنیاوی تعلیم کا سنگم نہ ہونا۔

(۲۲) دعوت کے کام میں ہمہ وقت مصروف لوگوں کے اخلاقی زوال، گروہی عصبیت اور غیرہ دین کے سبب لوگوں کا پہلے انھیں ماڈل ماننا پھر ان کی خرابیوں کو دیکھ کر ان سے اور ان کے پیغام سے کراہیت کرنا۔ ان سے کٹنا نہ کہ ان کی طرف کھنچنا۔ نیز یہ کہ مذہبی لوگوں کا دنیاوی پچھڑاپن اور معاملات کے مقابلے صرف عبادت پر اصرار بھی مذہب سے اکتاہٹ کا سبب بنتا ہے۔

(۲۳) مسلم عوام میں عموماً اور علما میں خصوصاً عدم اتحاد اور اختلاف کو نہ برداشت کر سکنے کا رویہ بھی ان سے قریب آنے کے بجائے دور جانے کو بڑھاتا ہے۔

(۲۴) مسلم مذہبی طبقہ کی معاشرتی، سماجی اور سیاسی مسائل سے عدم دلچسپی بھی غیر مسلموں کی نگاہ میں مسلمانوں کو ایک بے حس قوم کے طور پر پیش کرتی ہے جب کہ قرآن میں یتیموں کی مدد، شراب، زنا اور جوئے کی مخالفت اور غلامی (یعنی بندھوا مزدوری) کو ختم کرنے پر بے انتہا زور صرف کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا ان برائیوں کو ختم کرنے کی مہم میں غیر مسلموں کا عمومی ساتھ نہ دینا بھی اسلام کی کشش میں کمی کا باعث بنتا ہے۔

(۲۵) ہندوستان میں اٹھارہ دفتری زبانیں اور ایک ہزار سے زائد مقامی بولیاں ہیں۔ زیادہ تر زبانوں میں قرآن وحدیث اور سیرت کے تراجم کا نہ پایا جانا بھی اسلام سے عدم واقفیت کا سبب بنتا ہے۔ مزید یہ کہ موجودہ مذہبی لٹریچر کا فضول لفاظی کے سبب ضخیم ہونا بھی

ان کے مطالعہ کے راستہ میں ایک نفسیاتی رکاوٹ بنتا ہے۔

(۲۶) کثیر المذاہب معاشرہ میں کبھی کبھی مفاد پرست لوگ مذہبی حساسیت کو بڑھا دیتے ہیں اور مذہبی لین دین کی فضا کو مسموم کر دیتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایسی باتوں کا ہونا اسلام کے راستے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

ہندوستان میں اختلاط کی کثرت کے باوجود اسلام کا تعارف قابل فہم زبان وطریقے سے عملاً بہت کم ہو رہا ہے۔ اس کی اہم وجہ عصر حاضر کے مسلمانوں میں دعوت کے عمومی شعور کی عدم موجودگی ہے۔ دعوتی شعور نہ ہونے کی وجہ سے فی الحال جو کام ہو رہا ہے وہ زیادہ تر بالواسطہ انداز میں ہو رہا ہے۔

ہندوستان میں سیاسی آلودگی (political pollution) کی وجہ سے ملک کی معتدل فضا ختم ہوتی جا رہی ہے اور تناؤ واجنبیت کا ماحول بن رہا ہے جیسا کہ مولانا وحید الدین خاں فرماتے ہیں:

> ''اسلام کا دعوتی مسئلہ تعارف کا ہے نہ کہ قبولیت کا۔ تعارف کا کام اگر معتدل حالات میں انجام پا رہا ہو تو اس کے بعد قبولیت اپنے آپ آتی ہے۔ یہاں تعارف اور قبولیت میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ جب بھی ایسا ہو کہ تعارف اور قبولیت میں فاصلہ پیدا ہو جائے تو پیشگی طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ صحیح فضا نہ ہونے کی بنا پر تعارف اپنی صحیح صورت میں نہیں ہو رہا ہے۔ اس لیے بظاہر تعارف کے باوجود لوگوں نے اسلام سے دوری اختیار کر رکھی ہے۔''(۱)

---

(۱) دعوتِ حق، مولانا وحید الدین خاں، ص: ۱۰۹

ہندوستان میں امکاناتِ دعوت

''عصر حاضر کا جدید انسان۔ قدیم انسان سے بالکل مختلف ہے۔ اس نئے انسان کا ذہن حیرت انگیز طور پر اسلامی دعوت کے عین موافق ہے۔

جدید ذہن کی پہلی اہم خصوصیت ''روح تجسس'' یعنی spirit of enquiry ہے۔ قدیم انسان میں تجسس کی روح بہت محدود پیمانہ پر پائی جاتی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ علم کی دنیا لامحدود حد تک وسیع ہے اس لیے اس کا علمی شوق بھی بہت زیادہ وسیع نہ تھا، مگر موجودہ تحقیقات نے بتایا کہ علم کی دنیا لامحدود حد تک وسیع ہے اس لیے انسان کے اندر تجسس کا جذبہ بھی لامحدود حد تک پیدا ہو گیا ہے۔ اس طرح جدید انسان کی روح تجسس نے اسے اسلامی دعوت کا بہترین مخاطب بنا دیا۔

جدید ذہن کی دوسری نمایاں خصوصیت موضوعیت (objectivity) ہے۔ یعنی کسی بھی قسم کے تعصب کے بغیر چیزوں کو ویسا ہی دیکھنا جیسا کہ وہ ہیں۔ یہ صفت جدید انسان کے اندر سائنس کے اثر سے پیدا ہوئی۔ کیوں کہ طبعی سائنس کے مطالعہ میں آدمی کو آخری حد تک بے آمیز ذہن سے مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر کسی مطلوب نتیجہ تک پہنچنا ممکن نہیں۔ اس طرح سائنسی مطالعہ نے جدید انسان کو کامل طور پر حقیقت پسند بنا دیا۔ یہ صفت اسلامی دعوت کے عین مطابق ہے کہ جب اس کے سامنے حقیقت لائی جائے تو وہ غیر جانب داری سے اس کا مطالعہ کرے۔

جدید ذہن کی تیسری اہم صفت ''اعتراف'' ہے۔ جدید انسان عین اپنے مزاج کے تحت بے اعترافی کا تحمل نہیں کر سکتا۔ اشیا کے سائنسی مطالعہ میں حقیقت واقعہ کے اعتراف کی بے حد اہمیت ہے۔ آج کے انسان کی یہ صفت بھی اسلامی دعوت کے لیے نہایت کارآمد ہے۔

آج تعلیم یافتہ جدید انسان پر اسلام کی صداقت دلائل سے واضح کردی جائے تو اپنی ذہنی ساخت کے تحت اس کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے کہ اس کو نہ مانے۔ کسی بات کا ثابت ہو جانا ہی اس کے لیے کافی ہے کہ جدید ذہن اس کو قبول کرلے۔ جدید ذہن یہ ہے کہ وہ چیزوں کو ان کے اصل روپ میں دیکھے اور ایسے لوگ دعوت کے بہترین مخاطب ہیں۔

(۱) مذہبی دعوت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ابتدا میں دعوت دین کا کام مشکل ترین حالات میں کرنا پڑا۔ پھر مسلمانوں کا دور حکومت آیا تو یہ کام آسان ہو گیا اور آج کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے یہ مان لیا گیا کہ مذہبی آزادی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ اس پر مزید یہ کہ ذرائع ابلاغ اور مواصلات کی ترقی نے اس کام کی رفتار کو بھی بڑھا دیا۔ اس کے علاوہ انسانی سوچ میں ایک فرق یہ واقع ہوا کہ قدیم زمانہ کا انسانی علم زیادہ تر قیاسات اور توہمات پر مبنی تھا جو صحیح بات قبول کرنے میں ایک رکاوٹ تھا، مگر عصر حاضر میں انسانی علم کو حقائق فطرت کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ زمانہ کا انسانی علم دین حق کی تصدیق کے ہم معنی بن گیا۔

(۲) اسلام اور انسانی فطرت دونوں ایک دوسرے کا مثنیٰ (counterpart) ہیں۔ حقیقی انسان اور حقیقی اسلام کے درمیان کوئی دوری یا اجنبیت نہیں۔ دور اول کے انسان کے لیے اسلام میں جو اپیل تھی وہی اپیل دور آخر کے انسان کے لیے بھی باقی رہے گی۔ اس معاملہ میں نہ زمانہ کے اعتبار سے کوئی فرق ہونے والا ہے اور نہ جغرافیہ کے اعتبار سے۔ اسلام کی یہ صفت اس کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اس نے اسلام کے داعیوں کے لیے اسلامی دعوت کو ایک آسان کام بنا دیا ہے۔ گویا کہ اسلام کا داعی دوسروں کو وہی چیز دیتا ہے جس کا وہ پہلے ہی سے انتظار کر رہے ہیں۔ دعوت کے کام میں داعی کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ بظاہر خواہ کتنے ہی اختلافات ہوں انسان کی حقیقی فطرت ایک ہی دین کی طالب ہے اور وہ عین اسی مطلوب دین کا تحفہ لے کر ان کے یہاں جا رہے ہیں۔

(۳) سائنس اور ٹکنالوجی کی اس موجودہ دنیا میں داعی اس پوزیشن میں ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی حقیقتوں کی لفظی خبر دینے کے ساتھ ان کا عملی نقشہ بھی دکھا سکتا ہے۔ جیسے قرآن میں کہا گیا کہ جب موجودہ دنیا ختم ہوگی اور آخرت کا دن آئے گا تو زمین بولنے لگے گی اور تمام باتوں کو بتا دے گی: یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ (الزلزال: ۴) قرآن کی خبر پہلے عجیب معلوم ہو سکتی تھی مگر

آج آڈیواورویڈیو(audio-video) کی مدد سے اسے سمجھنا آسان ہے۔اسی طرح آج کی ترقی یافتہ دنیا کی مثالوں کودعوتی تعلیم مثلاً جنت وجہنم وغیرہ کے تعارف کے طور پراستعمال کیا جاسکتا ہے۔

(۴) قدیم زمانہ میں مذہب کوصرف تقدس کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ بحث نہیں کی جاتی تھی کہ اس کی کتاب یااس سے وابستہ شخصیتیں تاریخی طور پر مسلم ہیں یانہیں۔

اسلام استثنائی طور پراس خصوصیت کا حامل تھا کہ اس کی ہر چیز تاریخی طور پر ثابت شدہ تھی،مگراسلام کی یہ ابتدائی صفت لوگوں کی نگاہوں سے چھپی ہوئی تھی۔کیوں کہ اس پہلو سے مذاہب کا جائزہ لینے کارواج ہی دنیا میں نہیں تھا۔جدید سائنسی انقلاب نے لوگوں کے اندرایک نئی روح تجسس پیدا کی۔ہر چیز کا جائزہ خالص علمی حقائق کی بنیاد پرلیا جانے لگا۔یہ جائزہ عین اسلام کے حق میں تھا۔اس کے نتیجہ میں خالص علمی طور پر یہ واضح ہوگیا کہ دوسرے مذاہب کے مقابلے صرف اسلام کومکمل تاریخی اعتباریت (historical credibility) حاصل ہے۔دورجدید کی اس علمی دنیا میں یہ جوتبدیلی ہوئی ہے اس نے اسلامی دعوت کے لیے نئے طاقت ورمواقع کھول دیے ہیں۔

(۵) حضورؐ حج کے اجتماع کودعوتی مقصد کے لیے استعمال کرتے تھے۔آج ٹی وی اور انٹرنیٹ کی مدد سے حج کے اجتماع کواور بڑے پیمانہ پر دعوت کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ شکل میں یہ ہوتا ہے کہ حج کے دوران بولے گئے تمام الفاظ عربی زبان میں کہے جاتے ہیں اس لیے اس کا فائدہ صرف عربی دانوں تک محدود رہتا ہے۔اگراس معاملہ میں ڈبنگ کا طریقہ استعمال کیا جائے توحج کا دعوتی فائدہ عالمی سطح تک وسیع ہوجائے گا۔یعنی تصویریں تووہی نشرہوں جوکہ اصلاً ہوتی ہیں البتہ ہرملک کے اسٹیشن حج کے دوران ادا کیے جانے والے تمام الفاظ کواپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کرکے نشرکریں۔اس طرح جب حجۃ الوداع کا خطبہ جوگویا حقوق انسانی کا منشور ہے اورنہایت جامع الفاظ میں اسلام کی مکمل تعلیمات کوپیش کرتا ہے کواور جب کئی ملین لوگوں کے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْك (میں حاضر ہوں اللہ میں حاضر ہوں) کہنے کوغیرمسلم سنیں گےتو انھیں اپنا بھولا ہوا سبق (الاعراف:۱۷۲) یاد آنے کی امید ہے۔

(۶) موجودہ زمانے میں اسلامی دعوت کے حق میں ایک نیا طاقت ورعنصر وجود میں آیا ہے جواس سے پہلے موجود نہ تھا۔یعنی علم انسانی کا دین کی تصدیق بننا۔موجودہ زمانے کی نئی

دریافتوں نے اسلامی حقیقتوں کو انسان کے علمی مسلمات کی سطح پر قابل فہم بنادیا ہے اور دوسری طرف یہ ثابت کیا کہ دوسرے مذاہب کے معتقدات علمی اور سائنسی اعتبار سے قابل اعتبار نہیں۔ مثلاً:

سورۂ یونس کی آیت ۹۲ میں حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے فرعون سے جب وہ پانی میں ڈوبنے لگا تو کہا گیا آج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے نشانی بنے۔ فرعون موسیٰ (ریمسس ثانی) کا یہ بدن مصر کے احرام میں موجود تھا۔ ۱۸۹۸ء میں وہ مستشرقین کی مدد سے اہرام سے نکالا گیا اور اس کو قاہرہ (مصر) کے میوزیم میں ایک شیشہ کے کیس میں رکھا گیا جہاں وہ اب تک موجود ہے۔ ایک طرف قرآن کا یہ دعویٰ تھا اور دوسری طرف اس کے بالمقابل چرچ کا یہ دعویٰ تھا کہ اٹلی کے شہر تورین کے ایک چرچ میں حضرت مسیح کا کفن موجود ہے جو دو ہزار سال پہلے ہونے والے واقعہ کی ایک نشانی ہے۔ ان کے مطابق حضرت مسیح کو مصلوب کرنے کے بعد جب ان کا بدن سولی سے اتارا گیا تو ان کے مردہ جسم پر کھدر جیسی ایک چادر پھیلادی گئی اور اس کپڑے پر حضرت مسیح کے جسم کا دھندلا عکس آ گیا۔ مسیحی چرچ کے مطابق یہ کپڑا دو ہزار سال سے رکھا ہوا ہے۔

یہ دو یکساں نوعیت کے دعوے تھے اور جدید سائنسی تکنیک کی دریافت سے پہلے یہ ممکن نہ ہوسکا تھا کہ دونوں کو جانچ کر ان کی تاریخی اعتباریت کی تصدیق یا تردید کی جائے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کے وسط میں کاربن ڈیٹنگ (Carbon dating) کا طریقہ دریافت ہوا جس کے ذریعہ کسی قدیم چیز کی عمر نہایت صحت کے ساتھ معلوم کی جاسکتی ہے۔ کاربن ڈیٹنگ کے طریقہ کو فرعون کی لاش پر آزمایا گیا تو پتہ چلا کہ مذکورہ لاش کی عمر عین وہی ہے جو حضرت موسیٰؑ کی تھی۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ وہ یقینی طور پر حضرت موسیٰؑ کا ہم عصر تھا۔ اسی طرح جب مزعومہ کفن مسیح پر کاربن ڈیٹنگ کی تکنیک استعمال کی گئی تو پتہ چلا کہ کفن کی عمر صرف ۵۰۰ سال تھی۔

یہ ایک علامتی مثال ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جدید علم کس طرح ایک طرف غیر اسلام کا بے اصل ہونا ثابت کر رہا ہے اور دوسری طرف یہی جدید علم اسلام کی صداقت کو ازسرنو زیادہ قوت کے ساتھ برحق ثابت کر رہا ہے۔ اس صورت حال نے اسلام کے داعیوں کے لیے ایک نیا طاقت ور امکان کھول دیا ہے۔ نئے حالات میں وہ نئے عزم ویقین کے ساتھ اسلامی دعوت کا کام کرسکتے ہیں۔

(۷) قدیم زمانے میں ہر ملک میں مذہبی تعذیب (religious persecution) کے

واقعات پائے جاتے ہیں یہودیوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں عیسائیوں پر اور بعد میں عیسائیوں نے یہودیوں پر۔ ہندوستان میں ہندوراجاؤں نے بدھ مت کے ماننے والوں پر سختیاں کیں جب کہ محکوم صرف غیر سیاسی طور پر اپنے مذہب کا پرچار کررہے تھے۔ قدیم زمانے میں مذہب مکمل طور پر بادشاہ کی مرضی پر منحصر تھا، لہٰذا مذہب کی اشاعت کا کام دشوار تھا۔

ایک لمبے تاریخی عمل کے بعد مذہبی تعذیب کا دور ختم ہوا اور مذہبی آزادی کا دور شروع ہوا۔ جب ۲۶ راگست ۱۷۸۹ء کو انقلاب فرانس کے بعد اس کے لیڈروں نے جو اعلان نامہ جاری کیا اس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ ہر مرد وعورت کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ وہ جس مذہب کو چاہے مانے، جس مذہب پر چاہے عمل کرے۔ مزید یہ کہ ہر ایک کو یہ حق بھی حاصل ہوگا کہ وہ پرامن طور پر اپنے مذہب کی تبلیغ کرسکے۔ پھر عالمی جنگ کے بعد جب اقوام متحدہ کے نام سے تمام قوموں کی عالمی تنظیم بنی تو اس نے متفقہ طور پر universal declaration of human rights کے نام سے جون ۱۹۴۸ء میں ایک اعلان نامہ جاری کیا۔ اس میں مزید قوت کے ساتھ یہ تسلیم کیا گیا کہ ہر مرد یا عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس مذہب کو چاہے اختیار کرے اور جس مذہب کی چاہے تبلیغ کرے۔ اقوام متحدہ کا یہ اعلان نامہ عالمی سطح پر تمام قوموں میں مان لیا گیا اور ہر ایک نے اس کو اپنے دستور میں لکھ کر اس کی باقاعدہ توثیق کردی۔ مثلاً ہندوستان کے آئین کی دفعہ ۲۵ میں یہ کہا گیا ہے کہ ہر ہندوستانی شہری کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کی آزادی ہوگی۔ یہ مذہبی آزادی ایک عظیم نعمت ہے جو ہزار سالہ عمل کے بعد دنیا میں آئی ہے۔ اس نے دعوتی امکان کو غیر محدود حد تک بڑھادیا ہے۔ البتہ یہ سچ ہے کہ عملی سطح پر کچھ دقتیں ہیں، جنھیں حکمت سے دور کرنا چاہیے۔

(۸) قدیم زمانے میں فکری آزادی نہ ہونے کے وجہ سے یہ صورت حال تھی کہ آزادانہ تبادلہ خیال نہیں ہوتا تھا۔ غالب نقطۂ نظر کے خلاف اظہار رائے ممکن نہ تھا۔ اس بنا پر یہ امکان موجود نہ تھا کہ کسی سماج میں کسی نئے نقطۂ نظر کی تبلیغ واشاعت کی جائے۔ موجودہ زمانے میں یہ صورت حال یکسر بدل گئی ہے۔ اب آزادانہ اظہار رائے کو نہایت پسند کیا جاتا ہے حتیٰ کہ جو لوگ اختلافی رائے کو برداشت نہ کریں وہ جدید سماج میں غیر معیاری سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ مخالفانہ رائے کو سنیں اور اس پر سنجیدگی سے اظہار خیال کریں وہ آج کے سماج میں وقت کے اعلیٰ معیار کے مطابق

قرار پائے جاتے ہیں۔ اس صورت حال نے دعوت اسلامی کے لیے ایسے نئے مواقع کھول دیے ہیں جو اس سے پہلے تاریخ میں کبھی موجود نہ تھے۔ آج یہ ممکن ہوگیا ہے کہ جس طرح سیکولر موضوعات پر تبادلۂ خیال کی مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں اسی طرح دینی موضوعات کے لیے ہر جگہ مجلسیں منعقد ہوں جن میں کھلے طور پر اسلامی تعلیمات کا چرچا کیا جائے۔ اس پر سوال و جواب ہوں اور حکمت اور مجادلہ احسن کے انداز میں اسلام کا پیغام لوگوں کے ذہن نشین کیا جائے۔ یہ ایک عظیم امکان ہے۔ اگر ملت کے اہل افراد اٹھیں اور اس کو حکمت کے ساتھ استعمال کریں تو بلا شبہ اس کے غیر معمولی نتائج برآمد ہوں گے۔

(۹) اختلاط بذات خود دعوت کا ذریعہ ہے، مگر موجودہ زمانے میں ذرائع خبر رسانی کی وسعت سے یہ اختلاط بہت بڑھ گیا ہے اور اختلاط کے بڑھنے کے نتیجہ میں اسلام کے تعارف کے امکانات بھی بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔

(۱۰) علمی تحقیق کے دو دور میں پہلا انیسویں صدی کے آخر تک جب کہ انسان کا مطالعہ عالم کبیر (macro world) تک محدود تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ حقیقت وہی ہے جو براہ راست انسانی مشاہدہ میں آتی ہو۔ چنانچہ اس زمانے میں ہر ایسے عقیدہ کو بے اصل سمجھا جاتا تھا جس کو مشاہداتی استدلال یا براہ راست استدلال کے ذریعہ ثابت نہ کیا جا سکتا ہو۔ بیسویں صدی میں ایٹم کے ٹوٹنے کے بعد ایک نیا دور آیا ہے جس میں انسان کا مطالعہ عالم صغیر (micro world) تک جا پہنچا ہے۔ عالم صغیر کے انکشاف کے بعد سارا معاملہ بدل گیا۔ یہ عالم صغیر جو بیسویں صدی میں دریافت ہوا انتہائی حقیقی ہونے کے باوجود ناقابل مشاہدہ تھا۔ اس کے اوپر صرف استنباطی استدلال یا بالواسطہ استدلال ہی قائم کیا جا سکتا تھا۔

انسانی علم کی اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود منطق یا طریق استدلال میں تبدیلی واقع ہوگئی۔ پہلے یہ مانا جاتا تھا کہ حقیقت وہی ہے جس پر براہ راست استدلال قائم کیا جا سکتا ہو۔ اب یہ تسلیم کرلیا گیا کہ بالواسطہ استدلال یا استنباطی استدلال بھی علمی اعتبار سے درست ہے۔ بالواسطہ استدلال اور براہ راست استدلال دونوں علمی اعتبار سے معقول ہیں۔ اس استدلالی تبدیلی کے بعد غیبی خدا اور فرشتوں کے وجود کو ثابت کرنا اتنا ہی ممکن ہوگیا جتنا کہ بظاہر مشاہداتی چیزوں کے وجود کو ثابت کرنا۔

علم انسانی کے اس نئے دور نے اسلامی دعوت کے کام کو ایک نئی قوت عطا کی ہے۔ اس

تبدیلی نے عقیدہ اور سائنس کے فرق کو مٹا دیا ہے۔ اب عقیدہ بھی علمی اعتبار سے اتنا ہی محکم ہے جتنا کہ سائنس کا کوئی مسئلہ۔ دونوں کے درمیان نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ یہ صورت حال داعی کے لیے ایک علمی نعمت کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج یہ ممکن ہو گیا ہے کہ دینی عقائد کو اسی اعلیٰ سائنٹفک طاقت سے مدلل کر کے پیش کیا جائے جس سے پہلے سائنسی مسائل پیش کیے جاتے تھے۔

استدلال کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ مخاطب کے عقلی مسلمہ کے مطابق ہو۔ اس سے پہلے یہ مسئلہ تھا کہ مخاطب تو براہ راست استدلال میں یقین کرتا تھا اور اسلام کا داعی اپنے عقائد کو پیش کرنے کے لیے صرف بالواسطہ استدلال پر انحصار کر رہا تھا۔ مگر اب یہ فرق علمی اعتبار سے ختم ہو چکا ہے۔ آج کے مخاطب نے جدید دریافت شدہ حقائق کی بنیاد پر یہ مان لیا ہے کہ بالواسطہ استدلال کے ذریعہ ثابت ہونے والی چیز بھی اتنی ہی حقیقی ہے جتنی کہ براہ راست استدلال سے ثابت ہونے والی چیز۔ یہ اسلام کے داعی کے لیے عظیم نعمت ہے اس علمی ترقی کے بعد یہ ممکن ہو گیا ہے کہ اسلام کی دعوت کو اسی معیار استدلال پر ثابت شدہ بنا دیا جائے جس کے بعد مخاطب کو ماننے بغیر چارہ نہ رہے۔

(۱۱) مختلف اسباب کے تحت اسلام میں اقتصادی قدر (commercial value) پیدا ہوگئی ہے۔ چنانچہ غیر مسلم طبقہ بھی اسلام کے دعوتی عمل میں شریک ہو گیا ہے۔ دنیا کے بڑے پبلشنگ ادارے قرآن وحدیث اور اسلامی لٹریچر کو چھاپ کر پھیلا رہے ہیں۔ جیسے میکملن، پنگوئن، آکسفورڈ، کیمبرج اور ہندوستان میں منشی نول کشور پریس وغیرہ۔

ایک دوسرا امکان الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا ہے جو کثرت سے اسلام و مسلمانوں سے متعلق رپورٹیں منظر عام پر لا رہا ہے جو اکثر مخالفانہ لہجہ میں ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ میڈیا کو مسلمانوں سے دشمنی ہے بلکہ وہ اپنے مالی مفاد کے پیش نظر Soft news کو نظر انداز کر کے hot news کو نمایاں کرتے ہیں۔

آج جو ایک نیا امکان پیدا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ جب اسلام یا مسلمان سے متعلق منفی بات لکھی جاتی ہے تو علمی آزادی کی بنا پر لوگ چاہتے ہیں کہ دوسرا موقف بھی ان کے سامنے آئے، لہٰذا اسی چینل واخبار سے مثبت بات بھی چھاپی جاتی ہے۔ اسلام کے داعیوں کو تاریخ میں پہلی بار یہ موقع ملا ہے کہ وہ دوسروں کی زبان سے اپنی بات کہلوائیں۔ وہ دوسروں کے قائم کردہ میڈیا سے اپنے افکار

کی اشاعت کریں۔ اس امکان کو موثر طور پر استعمال کرنے کی شرط صرف یہ ہے کہ اسلام کی حمایت میں جو کچھ لکھا جائے وہ ممکن طور پر غیر مناظرانہ ہو اور وہ علمی اسلوب میں ہو نہ کہ الزامی اسلوب میں۔

(۱۲) ذرائع آمد و رفت کی ترقی کی وجہ سے سیاحت (tourism) کے اس پھیلاؤ نے موجودہ زمانے میں دعوت کے لیے نئے امکانات کھول دیے ہیں۔ سیاحوں کی نقل و حرکت ہر مقام پر مسلسل جاری رہتی ہے۔ کبھی سیر و تفریح اور کبھی تعلیمی مقاصد اور کبھی تجارت کے لیے۔ گویا کہ سیاحوں کے روپ میں مدعوں خود داعی کے پاس پہنچ رہا ہے۔ اب یہ ممکن ہے کہ خالق کے عالمی پیغام رسانی کے کام کو خود اپنے رہائشی مقامات پر رہتے ہوئے انجام دیا جا سکے۔ سیاحوں کی یہ عالمی نقل و حرکت اہلِ ایمان کے لیے ایک دعوتی موقع کے ساتھ ہی انھیں حق سے واقف کرانے کی ایک بھاری ذمہ داری بھی ہے۔

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ ہر مقام پر کچھ ایسے افراد موجود ہونے چاہئیں، جو ایک طرف دین کی تعلیمات سے بخوبی واقف ہوں اور اسی کے ساتھ بیرونی مقامات سے آنے والے سیاحوں کی زبان بھی اچھی طرح جانتے ہوں، تا کہ ان کے سامنے خود ان کی قابلِ فہم زبان میں دین حق کی وضاحت کر سکیں۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان سیاحوں کو دینے کے لیے ہر زبان میں موثر قسم کا اسلامی لٹریچر بھی تیار کیا جائے، جس میں اسلام کا تعارف مثبت انداز میں کیا گیا ہو اور اس میں وقت کے سوالات کا جواب بھی ہو۔ یہ لٹریچر مکمل طور پر غیر مناظرانہ، غیر قومی اور غیر سیاسی اسلوب میں ہونا چاہیے۔ اس میں فطرت کی زبان میں اسلام کا اظہار ہونا چاہیے۔ مزید یہ کہ ان کے ساتھ تالیف قلب کا معاملہ کیا جائے۔ عالمی سیاحوں کی یہ نقل و حرکت گویا مدعو کی نقل و حرکت ہے۔ اس واقعہ نے داعی گروہ کے لیے دعوتی کام کو نہایت آسان بنا دیا ہے۔

(۱۳) موجودہ زمانے میں بڑے پیمانے پر تعلیمی ادارے اور یونیورسٹیاں قائم ہو گئیں ہیں، اس میں مسلم و غیر مسلم سبھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ موجودہ نظام تعلیم کا یہ پہلو اسلامی دعوت کے لیے زبردست امکان کی حیثیت رکھتا ہے۔ گرچہ سیکولر ممالک میں تعلیم کے ابتدائی مرحلے میں اسلام کی تعلیم حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے البتہ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں اسلامک اسٹڈیز میں B.A اور M.A اور Ph.D کے کورس ہیں۔ اس کے علاوہ لسانیات کے شعبوں میں اردو، عربی، فارسی

وغیرہ مسلم زبانوں کے بھی شعبے ہیں۔ ان شعبوں میں جو غیر مسلم تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کے ذہن میں ایک مذہب کی تصویر ابھرتی ہے جو ان کے مذہب سے مختلف ہوتا ہے اور جب ان غیر مسلم طلبہ کا مسلم طلبہ سے اختلاط ہوتا ہے تو وہ اسلام کے بارے میں سوالات کرتے ہیں۔ اس طرح ان شعبوں اور مسلم طلبہ کے ذریعہ ان تک اسلام کی تعلیمات پہنچ جاتی ہیں۔ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے واقف کرائیں۔

یہ صورت حال اہلِ اسلام کو اسلام کی دعوت وتعارف کا زبردست موقع دے رہی ہے۔ طالب علم کی حیثیت سے وہ سوال جواب کی صورت میں لوگوں کو اسلام کی بات بتا سکتے ہیں۔ استاد کی حیثیت سے وہ اپنے لیکچر میں ایسے مواقع پا سکتے ہیں جہاں وہ اسلام کا حوالہ دے سکیں۔ ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے وہ ایسے موضوعات کا انتخاب کر سکتے ہیں جو براہ راست یا بالواسطہ طور پر اسلام سے متعلق ہوں اور خالص علمی سطح پر اسلام کی نمائندگی کر سکیں۔ مسلم طالب علم مباحثوں، مذاکروں اور تحریری مقابلوں میں اسلامی موضوعات چن سکتے ہیں۔ یہ نیا دعوتی امکان ہے جو موجودہ زمانے میں پیدا ہوا ہے۔ اگر اس کو حکمت کے ساتھ استعمال کیا جائے تو ہر تعلیمی ادارہ عملاً ایک دعوتی ادارہ بن جائے گا۔

(۱۴) قدیم زمانہ مذہبی تعصب کا زمانہ تھا اور موجود زمانہ مذہبی بے تعصبی کا ہے۔ زمانہ قدیم میں دعوت کا کام انتہائی مشکل تھا۔ ہر شخص اپنے آپ کو ایک ذہنی خول میں بند کیے ہوئے تھا۔ وہاں کوئی نئی بات باہر سے اس کے اندر ڈالی نہیں جا سکتی تھی۔

موجودہ دور تاریخ کا پہلا دور ہے جب کہ اس مذہبی تعصب کا خاتمہ ہوگیا۔ کم از کم اصولی طور پر مذہبی تعصب کو سخت معیوب چیز سمجھا جانے لگا۔ آج علمی حلقوں میں ایک شخص فخر کے ساتھ یہ کہتا سنائی دے گا کہ مذہب کے معاملے میں ’’میں روادار ہوں‘‘، یا میں غیر جانب داری کے ساتھ ہر مذہب کا مطالعہ کرتا ہوں۔ اس کے برعکس مذہبی تعصب اور مذہبی ناروا داری کی وکالت کرنے والا شاید ساری دنیا میں کوئی نہ ملے۔ مذہبی فکر میں یہ انقلاب سائنس کے اثر سے آیا ہے۔ سائنس میں جب غیر متعصّبانہ طریقۂ مطالعہ رائج ہوا تو بقیہ تمام شعبوں میں بھی غیر متعصّبانہ طریقہ چھاتا چلا گیا۔ یہ ایک نیا امکان ہے جو دعوت حق کی موافقت میں پیدا ہوا ہے۔ آج یہ ممکن ہوگیا ہے کہ

دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کی صداقت کو کھلے طور پر بیان کیا جائے اور سننے والا اس کو ٹھنڈے طور پر سنے اور اس پر سنجیدگی سے بحث کرے۔ یہاں تک کہ جب اس کا ذہن اس کی حقانیت کی گواہی دے تو وہ اس کو قبول کر لے۔

(۱۵) سوشل ازم کی ۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے ٹوٹنے کی شکل میں ناکامی کے بعد، کائنات کی خود بخود تخلیق کے نظریہ (big bang theory) کے رد اور انسان کی خوشیوں اور لذتوں سے پر دنیا نہ بنا سکنے کی ناکامی کے بعد موجودہ دنیا میں ایک نظریاتی خلا (ideological vaccum) پیدا ہو گیا ہے۔

مادہ کو پر رونق تہذیب میں تبدیل کرنے کے لیے جو مشینیں بنائی گئیں ان کی بہت مہنگی قیمت انسان کو دینی پڑی۔ کارخانوں سے بننے والے فضلہ نے دریاؤں کے پانی کو گندا کر کے آبی کثافت (water pollution) کا مسئلہ پیدا کر دیا۔ مشینوں کی گڑگڑاہٹ نے آواز کی کثافت (noise pollution) کا مسئلہ پیدا کر دیا۔ جدید تہذیب کی مثال ایک ایسے خوبصورت محل کی بن گئی ہے جو سارا کا سارا کثیف دھویں سے بھرا ہوا ہے جو بظاہر دیکھنے میں اچھا معلوم ہوتا ہے، مگر اس کے اندر زندگی گزارنا اتنا ہی زیادہ مشکل نظر آتا ہے۔

ان حالات نے موجودہ زمانے میں اسلامی دعوت کی کامیابی کے امکانات کو بہت بڑھا دیا ہے۔ کیوں کہ اسلام ایک ایسا مکمل نظریہ ہے جو زندگی کو ایک مقصد اور امن وسکون دیتا ہے۔

(۱۶) انگریزی کو بین الاقوامی زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیے جانے نے دعوت کے کام کے لیے بہت اچھے امکان پیدا کر دیے ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ ایسے ادارے قائم کیے جائیں جن میں انگریزی داں کو عربی اور عربی داں کو انگریزی سکھائی جائے اور انگریزی میں خصوصاً اور مقامی زبانوں میں عموماً اسلام کی دعوت کو پھیلایا جائے۔

(۱۷) موجودہ دور کو دور مکالمہ (age of dialogue) کہا جاتا ہے۔ یعنی اختلافی موضوعات پر سنجیدہ انداز میں تبادلہ خیال کرنا۔ یہ ایک نئی چیز ہے جو موجودہ زمانے میں پیدا ہوئی ہے۔ اس سے پہلے اختلاف رائے کا فیصلہ میدان جنگ میں کیا جاتا تھا۔ اب جنگ حتیٰ کہ مناظرہ بھی ایک معیوب چیز بن گئی ہے۔ اب اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لیے صرف ایک ہی طریقہ کو باوقار طریقہ

سمجھا جاتا ہے اور وہ میز پر ہونے والا سنجیدہ مکالمہ ہے۔

یہ جدید مزاج دو عالمی جنگوں کے بھیانک انجام کو دیکھ کر پیدا ہوا۔ اس جدید ذہن نے اسلامی دعوت کے لیے نئے اور مؤثر امکانات کھول دیے ہیں۔ اس کی وجہ سے یہ بھی ممکن ہو گیا ہے کہ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی دعوت مناظرہ بازی کے برعکس سنجیدہ تبادلہ خیال کے انداز میں پیش کیا جائے۔

یہ مکالماتی مزاج تمام تر ایک نیا مزاج ہے جو پہلے کبھی موجود نہ تھا۔ اس نئے مزاج نے اس بات کو ممکن بنا دیا ہے کہ اسلامی دعوت کے کام کو عین اسی علمی اسلوب میں کیا جائے جو عمومی طور پر مسلّم ہے اور وسیع پیمانے پر دوسرے موضوعات میں کام یابی کے ساتھ استعمال کیا جارہا ہے۔ اس طرح تاریخ میں پہلی بار یہ امکان پیدا ہوا ہے کہ انسان کے خود اپنے مانوس اسلوب میں اسلامی دعوت کا عمل جاری کیا جا سکے اور لوگوں کے اپنے تسلیم کیے ہوئے ڈھانچہ میں انھیں اسلام کا مخاطب بنایا جا سکے۔

دعوتی مکالمہ کا یہ کام بڑے پیمانے پر اور ہر جگہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ مکالمہ نہ صرف اسلام کا تعارف ہے بلکہ اجتماعی انداز میں تقابلی مطالعہ بھی ہے۔ ڈائیلاگ کے طریقہ کو اسلامی دعوت کے لیے استعمال کرنے کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ عمومی طور پر ایک مسلّم طریقہ ہے۔ لوگوں کے درمیان خود ان کی اپنی روایت کے مطابق ان کے یہاں یہ طریقہ رائج ہو چکا ہے کہ اختلافی موضوعات پر ڈائیلاگ کیا جائے۔

(۱۸) آج کا دور انفارمیشن ٹکنالوجی (information technology) اور پریس (press) کا دور ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا (print & electronic media) انسانوں کا ذہن بدلنے میں اہم رول ادا کر رہا ہے۔ یہ جدید مواصلاتی ذرائع دعوت کے حق میں زبردست امکان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر اگر سائنٹفک انداز میں مضامین لکھے جائیں اور انھیں اخبارات، رسائل اور کتابوں میں لکھا جائے اور آڈیو ویڈیو پر ٹیپ کیا جائے تو بہت زیادہ لوگوں کو مخاطب کیا جا سکتا ہے۔ نہ صرف داعی کی زندگی میں بلکہ موت کے بعد بھی اس کا مشن جاری رہ سکتا ہے۔ مزید یہ کہ ٹی وی پر مذہبی چینل کی شروعات نے اسلامی دعوت کے دائرہ کو اور وسیع کر دیا ہے۔

(۱۹) موجودہ زمانے میں مذہب کے مطالعہ کا نیا رجحان پیدا ہوا ہے۔ یہ مذہبی رجحان در

اصل غیر مذہبی چیزوں کی طرف سے انسان کی مایوسی ہے۔ دولت، حسن اور طاقت کے حصول کے بعد بھی اسے شانتی نہیں مل رہی ہے جس کی اسے تلاش تھی۔ آج کا انسان جنگی نظریات کے تجربوں سے سخت مایوس ہو گیا ہے۔ متشددانہ قومیت، مارکسزم اور نازی ازم کے جارحانہ فلسفوں سے اس کو نہایت تلخ تجربات پیش آئے ہیں۔ نئے ہتھیاروں کی ہلاکت خیزی کو دیکھ کر وہ جنگ سے سخت متوحش ہو گیا۔ وہ ایسے متبادل نظریہ کی تلاش میں ہے جو جنگ کے بغیر انسانیت کی فلاح کا راستہ بتاتا ہو۔

ایسی حالت میں اگر اسلام کو جنگ کے نظریہ کے طور پر پیش کیا جائے گا تو آج کے انسان کو اس سے دلچسپی نہ ہوگی۔ آج انسان صرف ایسے مذہب میں دلچسپی لے سکتا ہے جس کے پاس انسانیت کی فلاح کے لیے پرامن تدبیر کا نسخہ موجود ہو۔ اسی لیے آج کے داعی کو مذہب امن کا داعی نظر آنا چاہیے نہ کہ مذہب جنگ کا۔

(۲۰) جدید ذہن کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ مادیت سے اکتا چکا ہے۔ صنعتی انقلاب اور انفارمیشن ٹکنالوجی کے منفی اثرات نے اسے مادی نظاموں سے سخت بے زار کر دیا ہے۔ وہ مادیت کی ظاہری رونقوں سے اکتا کر روحانی سکون تلاش کر رہا ہے۔ ایسی حالت میں آج کے انسان کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے کارگر تدبیر صرف یہ ہے کہ اس کے سامنے اسلام کے روحانی پہلوؤں کو مؤثر انداز میں پیش کیا جائے۔ اسلام کی اس روحانیت کو اس کے سامنے واضح کیا جائے جس کو اسلام میں ربانیت کہا گیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴿۲۸﴾ (الرعد:۲۸) ''سن لو کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔'' یہی اسلام کی اصل حقیقت ہے۔ اسلام نے بتایا ہے کہ انسان کا اصل مطلوب اللہ ہے اور اللہ کی معرفت ہی وہ چیز ہے جو ذہن وفکر کی دنیا کو روشن کرتی ہے۔ اللہ کی یادوں میں جینے سے ہی قلب وروح کی دنیا کو آفاقی سکون ملتا ہے اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔[1]

(۲۱) میدان تعلیم میں اس نئے امکان فاصلاتی تعلیم (distance education) کے پھیلتے ہوئے تصور اور ای۔تعلیم (e-education) کے طریقوں سے بھی دعوت دین کے کام میں فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) دعوتِ حق، مولانا وحید الدین خاں، ص: ۱۱۲-۱۶۰

(۲۲) امریکہ میں کچھ نوجوانوں نے dawat hot line کے نام سے دعوت دین کا کام شروع کیا ہے۔ یہ ایک ایسی سروس ہے جو ۲۴ گھنٹے جاری رہتی ہے۔ اسی طرز پر ہندوستان میں بھی کام کیا جاسکتا ہے۔ مزید یہ کہ internet پر chat کی سہولیات کو دعوت دین کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(۲۳) macro cosmic universe کا telescope سے اور Micro cosmic universe کا microscope سے براہ راست مطالعہ کرنے کے بعد آج کے انسان کا جو جدید ذہن بنا ہے وہ یہ ہے کہ چیزوں سے براہ راست تعلق میں آئے۔

اسلام میں خالق اور انسان کے بیچ کسی واسطہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلام کی یہ خوبی جدید ذہن کے عین مطابق ہے اور عصر حاضر میں قبولیت اسلام کے امکان کو بڑھاتی ہے۔ مزید یہ کہ آج کا انسان بناوٹ اور دکھاوے سے اکتا گیا ہے۔ وہ چیزوں کو ان کے فطری رنگ میں دیکھنا پسند کرتا ہے۔ اسلام کا نظام عبادت بھی بالکل فطری ہے، مثلاً نماز۔ جب کسی کو عزت دینا مقصود ہوتا ہے تو احتراماً کھڑے ہوجاتے ہیں، احترام کا جذبہ گہرا ہو تو جھک جاتے ہیں اور احترام کے جذبہ میں شدت ہو تو سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ اسلام کا یہ طریقۂ عبادت فطری اور انتہائی ترقی یافتہ (advance) ہے۔ اگر مسلمان خود نماز کے پابند ہوجائیں تو ناممکن ہے غیر مسلموں کو متوجہ نہ کرپانا۔

دعوت کے کام کے لیے ہندوستان میں مسلمانوں کو جو مواقع حاصل ہیں وہ اس وقت بہت سے برائے نام اسلامی ممالک میں بھی موجود نہیں ہیں۔ ہندوستان کے آئین نے ہر شہری کو اپنے پسندیدہ دین کو اختیار کرنے اور اس کی تبلیغ کی مکمل آزادی دی ہے۔ مسلمانوں کو خدمت اور خیر سگالی کے ذریعہ، نیز اپنے حسن اخلاق سے لوگوں کو قریب کرنے اور ان کے دلوں کو جیتنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ہندوستانی سرزمین دعوت کے کام کے لیے ایک زرخیز سرزمین ہے۔ دعوت کا شعور اگر ہندوستانی مسلمانوں میں پیدا ہوجائے تو وہ ہر غیر مسلم کو مدعو سمجھ کر اس کے ساتھ غیر معمولی شرافت واخلاق کا برتاؤ کریں گے۔ اس غرض سے نہیں کہ مسلمانوں کی عددی قوت بڑھ جائے، بلکہ اس لیے کہ اپنے ساتھ دوسروں کی نجات کا غم لینا اور ہدایت کا تحفہ دینا، انسانیت پر رحم کھانا اور اس کے لیے اپنی راحت کو قربان کرنا مسلمانوں کا فرضِ منصبی ہے۔

ہندوستان میں دعوتِ دین کے لیے چند تجاویز

(۱) عصر حاضر کے ہندوستان میں مسلمانوں کو جذباتیت سے ابھر کر حقیقت پسندی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اسلام حقیقت پسندی (realism) کا مذہب ہے نہ کہ مثالیت پسندی (idealism) کا، جس کی مثال ہمیں صلح حدیبیہ کے موقع پر ملتی ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تمہاری قوم کا زمانۂ کفر ابھی جلد ہی نہ گزرا ہوتا تو میں کعبہ کو توڑ کر اساسِ ابراہیمی پر اس کی تعمیر کرا دیتا، اس لیے کہ قریش نے کعبہ کی (نئی تعمیر) کے وقت اسے چھوٹا کر دیا تھا۔“ (مسلم)

(۲) دعوت دین کے سلسلے میں مسلمانوں کا زیادہ زور دماغ کی تسخیر کے مقابلے دلوں کی تسخیر پر ہونا چاہیے۔ اپنے معاملات و اخلاق کے ذریعے۔ علامہ اقبال کے مطابق ”دل و دماغ کے کام کرنے کے طریقوں میں بہت فرق ہے۔ دماغ اکثر اوقات ہزارہا مضبوط دلائل کو مسترد کر دیتا ہے اور ان کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا لیکن دل اس کے برعکس بعض اوقات کمزور سے کمزور چیزوں سے اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ صرف ایک ہی جھٹکے میں زندگی کا سارا نقشہ بدل جاتا ہے۔ قبول اسلام کا تعلق جس قدر دل سے ہے دماغ سے نہیں۔ جب دل ایک تبدیلی پر رضامند ہو جاتا ہے اور کسی بات پر قرار پکڑ لیتا ہے تو پھر باقی جسم اس کے سوا کچھ نہیں کرتا کہ وہ اس تبدیلی کی تائید کے لیے وقف ہو جائے۔

”ہمیں اسلام کے قدیم و جدید مبلغین میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ قدیم مبلغوں کا وار غیر مسلموں کے دلوں پر ہوتا تھا۔ وہ اپنی للّٰہیت، بے نفسی، خوش خلقی اور احسان و مروت کی جادو اثر اداؤں سے دلوں کو گرویدہ کرتے تھے اور اس طرح ہزارہا لوگ از خود بغیر کسی بحث و تکرار کے ان کے رنگ میں رنگ جاتے تھے۔ مگر جدید مبلغوں کا سارا زور دماغ کی تبدیلی پر صرف ہوتا ہے۔ وہ صداقت اسلام پر ایک دلیل دیتے ہیں مقابلہ

میں دوسری حجت غیر مسلم پیش کر دیتے ہیں۔ اس پر بحث و تکرار شروع ہو جاتی ہے اور ہدایت ختم ہو جاتی ہے۔"(۱)

(۳) فل ٹائم (full time) اور دعوت دین کو ذریعۂ معاش بنانے والے پروفیشنل (professional) داعی نہیں ہونے چاہئیں۔ کیوں کہ ان کا طریقہ تبلیغ غیر فطری ہوتا ہے اور خود ان میں بہت سے نفسیاتی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً گروہی عصبیت، احساس برتری، مذہبی غرہ اور حالات سے مایوسیت وغیرہ۔ دوسری طرف مدعو بھی ان سے خصوصی توقعات وابستہ کر لیتا ہے اور انھیں ماڈل کے طور پر دیکھنا چاہتا ہے اور جب بشری کمزوری کے سبب ان کا کوئی خراب عمل سامنے آتا ہے تو لوگ ان سے اور ان کی دی ہوئی تعلیمات دونوں سے بدظن ہو جاتے ہیں۔

داعی ہمیشہ عام مسلمان کو ہونا چاہیے۔ کیوں کہ اس کو اپنے غیر مسلم حلقہ میں جو مواقع حاصل ہوتے ہیں وہ ان کا بہترین استعمال کر سکتا ہے۔ مثلاً وہ اپنے غیر مسلم حلقہ میں احساسِ اجنبیت نہیں رکھتا۔ وہ مناسب موقع پر اپنی بات کہہ سکتا ہے۔ اس طرح اسلام کی دعوت فطری طریقہ پر ہوتی ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک مسلمان کی اتنی دینی تربیت ضرور ہو کہ وہ اسلام کے پیغام کو غیر مسلموں میں آسانی سے پیش کر سکے۔ اس مقصد سے ایک mobile islamic training Service کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔ جو مقامی زبانوں میں عام فہم لٹریچر door to door پہنچائے اور وقت مقررہ کے بعد واپس لے کر دوسروں کو دے۔ یہ لٹریچر تین اسٹیج (stages) میں مرتب کیا جا سکتا ہے۔ پہلی اسٹیج میں اسلام کی بنیادی تعلیمات (عقائد، عبادات اور معاملات)، دوسری اسٹیج میں قرآن و حدیث اور تیسری اسٹیج میں اسلام کی سماجی و نفسیاتی حکمتیں اور فقہی مسائل وغیرہ۔

یہ کام تعلیم یافتہ مسلم طبقہ میں تعلیم یافتہ اور معاشی طور پر well settled داعیوں کے ذریعہ اجتماعی طور پر پارٹ ٹائم (part time) میں کیا جا سکتا ہے۔ غیر تعلیم یافتہ اور بچھڑے ہوئے مسلم طبقے میں گفتگو اور تقریر کے ذریعہ یہ کام ہو سکتا ہے۔ تربیت یافتہ مسلمانوں کا غیر تربیت یافتہ مسلمانوں کی تربیت کرنا زیادہ آسان ہے بہ نسبت غیر مسلموں میں کام کرنے کے اور پھر یہ نئے تربیت یافتہ مسلمان اپنے غیر مسلم حلقہ میں آسانی سے اسلامی پیغام کو پہنچا سکتے ہیں۔ ان کے لیے بھی اجنبیوں کے مقابلے واقف کاروں کو پیغام پہنچانا آسان ہے۔ اس طرح جب غیر مسلموں کا شوق

---

(۱) دعوت اسلام، پروفیسر محسن عثمانی، ص: ۱۷۴، ۱۷۵

ہے دار ہو اور انھیں اسلام کے بارے میں جاننے کا مزید تجسس ہو تو انھیں ماہرین اسلام سے رجوع کرایا جاسکتا ہے۔

(۴) دعوت دین کے کام کے لیے نئے set-up کے قیام سے بہتر ہے کہ موجودہ set-up یا system میں جو امکانات ہیں ان کا بھرپور استعمال کیا جائے۔ مثلاً میڈیا میں جو مسلم وغیر مسلم لوگ شامل ہیں ان کو اسلام کے صحیح موقف پر لٹریچر فراہم کرایا جائے تاکہ وہ اسلام کی صحیح تصویر پیش کرسکیں۔ مسلم بچوں کو معیاری جرنلسٹ بنائیں، mass media کے اعلیٰ کورس کرائیں تاکہ وہ اسلام کی صحیح ترجمانی کرسکیں۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ نیا اخبار یا نیا چینل قائم کیا جائے۔

جو لوگ ہندوستان میں بزنس کرنے کی غرض سے آتے ہیں وہ پہلے سے ہی دلچسپی رکھتے ہیں کہ یہاں کے کلچر و مذہب سے واقف ہوں تاکہ اچھا بزنس کرسکیں۔ اسی طرح وہ سیاح جو ہندوستان دیکھنے آتے ہیں ان کی بھی یہاں کے مذاہب میں دلچسپی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے لیے مسلم گائیڈز اور ہوٹل میں کام کرنے والے لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے واقف کرایا جائے، تاکہ یہ لوگ ان لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچاسکیں۔

(۵) جیلوں میں رہنے والے قیدی، ریڈ لائٹ ایریا میں رہنے والی طوائفیں، اولڈ ایج ہوم میں رہنے والے بوڑھے، کوڑھ کے بیمار اور ایڈز کے مریض وغیرہ ایسے مایوس لوگ ہیں جو ہمہ وقت تیار ہیں لوگوں کی سننے کے لیے، مگر افسوس ان پر قابل قدر کام نہیں کیا جارہا ہے۔ اسلام کا پیغام ان کے لیے یقیناً ایک عظیم خوش خبری ہوگا۔

(۶) علمی سطح پر ایسی کتب کا زیادہ سے زیادہ لکھا جانا جو غیر مسلموں کے شبہات کے تسلی بخش جوابات پر مشتمل ہوں۔ اور زندگی میں مذہب کی ضرورت اور اسلام ہی کیوں؟ جیسے موضوعات پر مبنی ہوں۔

(۷) فوری طور پر بین الاقوامی سطح پر نہیں تو کم از کم ملکی سطح پر ایک ایسے اجتماع کی شدید ضرورت ہے، جس میں اس بات کا صاف اعلان کردیا جائے کہ مسلمانوں کو اختلافی مسائل پر تحریریں و تقریریں بند کردینی چاہئیں۔ کیوں کہ مسلکی اختلافات پر ایک بڑا ذخیرہ پہلے ہی سے موجود ہے۔ اس کو دہرا کر ہم فقط اپنی طاقت برباد کررہے ہیں اور غیر مسلموں کو کنفیوز (confuse) کررہے ہیں۔ ضرورت ہے اس طاقت کو ایسے لٹریچر کی تیاری میں صرف کرنے کی جس سے

غیر مسلم اسلام سے واقف ہو سکیں۔

(۸) عصر حاضر میں دعوت کے کام کو جدید طرز پر کرنے اور جدید امکانات کی تلاش کے لیے ایک ادارہ دعوہ سنٹر برائے پالیسی اسٹڈیز (dawa centre for policy studies) کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس میں ملک کی نمائندہ دعوتی تحریکوں کو نمائندگی دی جائے اور نوجوان مسلم اسکالرس کے ذریعہ دعوت کے طرز کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے تحقیق کی جائے اور اس کے نتائج کو عام کیا جائے۔ یہ ادارہ لوگوں کو دعوت دین کا صحیح شعور دینے اور دعوت کا سلیقہ سکھانے کے لیے بھی کام کر سکے گا۔ اس ادارہ کا کام فکری و علمی نوعیت کا ہوگا۔

اس ادارہ کا ایک یونٹ پریس مونیٹرنگ سیکشن (press monitoring section) یا میڈیا واچ (media watch) بھی ہوگا۔ یہ اسلام سے متعلق تحریروں کا تنقیدی جائزہ اور اسلام پر کیے جارہے اعتراضات کے جوابات بھی تیار کرے گا اور مقامی زبانوں میں غیر مسلموں کے لیے اسلام پر لٹریچر تیار کرنا اور اس نوعیت کے موجودہ لٹریچر کو مرتب کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہوگا۔

(۹) ہندوستانی مسلمانوں کو چاہیے کہ خود ساختہ حصار کو توڑیں اور ملک کے طول و عرض میں ہر جگہ باہمی میل جول کی انجمنیں قائم کریں اور حلف الفضول کو نمونہ بنا کر نیکی و خدمت خلق اور رفاہ عام کے کاموں میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کریں۔ یہ رابطہ عامہ کی کمیٹیاں سماجی و معاشرتی مشترکہ مسائل پر مکالمے اور میٹنگیں وغیرہ کا انعقاد کریں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی شراب، جوا، زنا، بندھوا مزدوری، رشوت خوری، اور دہشت گردی وغیرہ کے خلاف تحریکوں میں اجتماعی شرکت باہمی روابط کو مستحکم کرے گی۔

(۱۰) غیر مسلموں سے عموماً اور پس ماندہ طبقات و اقلیتی گروہوں سے خصوصاً قریبی روابط رکھنا اور اپنی مذہبی و سماجی محفلوں میں انھیں بلانا اور ان کی تقریبات میں شرکت کو بڑھاوا دینا اور خدمت خلق کے کاموں میں مل جل کر کوششیں کرنا۔

(۱۱) ٹیچرز ڈے، یوم خواتین اور یوم والدین (parents day, women day, teachers day) وغیرہ کے موقعوں پر ایسی مجالس کا اہتمام جس میں تمام مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب کی اس

موضوع پر تعلیمات کو واضح کریں۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہولی بک فیسٹول (holy book festival) کا انعقاد جس میں تمام مذاہب کی مقدس کتب کی عام اشاعت ہو اور غیر مسلموں کو قرآن مفت تقسیم کیے جائیں وغیرہ۔

(۱۲) سفر کے دوران اپنے ساتھ قرآن کے تراجم اور اسلام پر مختصر کتابچوں کا رکھنا اور دلچسپی لینے والے غیر مسلموں کو تحفہ میں دینا۔ اسلام پر ضخیم کتابیں شائع کرنے سے پرہیز کرنا کیوں کہ مطالعہ کے راستہ میں یہ نفسیاتی طور پر ایک رکاوٹ ہوتی ہے۔ عمومی طور پر قرآن کے تراجم و سیرت کی کتب کے تحفے غیر مسلموں کو دینے کی مسلمانوں کو عادت ڈالنی چاہیے۔

(۱۳) مسلمانوں کو اپنی افادیت کا سکہ قائم کرنا چاہیے اور اپنی برتری کو ثابت کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ یہ وہ صفت ہے جو دوسروں کو گرویدہ بناتی ہے۔ مسلمان کو اپنے کاموں مثلاً تجارت، معلمی، زراعت، طب وغیرہ میں مہارت پیدا کرنی چاہیے۔

(۱۴) مختلف علاقوں میں محلوں کی سطح پر ایسے کتب خانوں کا قیام، جن میں دنیا کے بڑے مذاہب کی کتب مقدسہ رکھی جائیں تا کہ غیر مسلموں کو قرآن پڑھنے کا موقع ملے۔ کیوں کہ دوسرے مذاہب کے ساتھ مل کر اپنے مذہب کی دعوت دینا ہی آج کے زمانے میں زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتا ہے۔ نیز موجودہ دور کے ڈائیلاگ (dialogue) کے طریقہ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا دین کی دعوت کے سلسلے میں اشد ضروری ہے۔

(۱۵) دعوتی کاموں کو فلاحی کاموں سے club کر کے پیش کرنا۔ ایسا ممکن ہے کہ ڈاکٹروں کی جماعت دور دراز علاقوں میں جائے، آنکھوں کے کیمپ وغیرہ کا انعقاد کرے اور پھر اسلام کی دعوت دے۔

(۱۶) ایسا ممکن ہے کہ تبلیغی جماعت کے کارکن مختلف علاقوں کی جن مساجد میں قیام کرتے ہیں وہاں پر موجود مدارس میں بھی کچھ وقت صرف کریں اور وہاں موجود علماء انھیں اسلام کی تعلیمات سے واقف کرائیں۔ اس طرح ان کی دینی معلومات میں بھی اضافہ ہوگا اور وہ دعوت کے کام کو بہتر طریقہ پر انجام دے سکیں گے۔

(۱۷) مسلمانوں کو اسلام کو اس کے اصل ماخذ (قرآن وحدیث) کی مدد سے سمجھنا چاہیے نہ کی تشریح کو مقدس مان کر اسی پر قناعت کرنا۔ صرف اسی طرح ان کے سامنے اسلام کی فطری، عملی اور آسان تصویر ابھر کر سامنے آسکتی ہے اور پھر دین پر چلنے میں انھیں بھی آسانی ہوگی اور وہ دوسروں کو بھی راغب کر سکیں گے۔

(۱۸) times of india کی ایک رپورٹ کے مطابق بہار کے ایک اندرونی علاقے میں ایک مدرسہ ہے جہاں ۴۰۰ طالب علموں میں سے ۷۵ غیر مسلم ہیں۔ گاؤں کے سرپنچ سے جب اس کی وجہ پوچھی جاتی ہے تو وہ بتاتا ہے کہ سرکاری اسکول کے ماسٹر جی بہت ہی کم آتے ہیں جب کہ مولوی صاحب پابندی اور لگن سے پڑھاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ آج زیادہ ضرورت ہے کہ ماضی کی طرح مدارس کے دروازے غیر مسلموں کے لیے کھولے جائیں۔ اس میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں میں اسلام کے لیے نرم گوشہ پیدا ہوگا اور اسلام کو ان تک پہنچانے کا فریضہ بھی انجام پائے گا۔

(۱۹) قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس سے زیادہ مؤثر کوئی کتاب نہیں ہوسکتی۔ مگر افسوس قرآن کے پیغام کو اپنے ہم وطن غیر مسلم بھائیوں تک ہم نے پورے طریقے سے اب تک نہیں پہنچایا ہے۔ ہندوستان میں ۱۸ دفتری اور ایک ہزار سے زائد مقامی بولیاں ہیں۔ ان میں سے کچھ کو چھوڑ کر زیادہ تر زبانوں میں قرآن کے تراجم بہت کم ہیں یا بالکل موجود نہیں ہیں۔ عصر حاضر میں فوری ضرورت ہے کہ قرآن کے تمام ہندوستانی زبانوں میں مناسب تشریحات کے ساتھ معیاری، مستند اور غیر ضخیم تراجم کیے جائیں اور ان تراجم میں گزشتہ تراجم کی تمام خوبیوں کو جمع کر دیا جائے، نیز اختلافی مسائل سے بچا جائے۔ یہ تراجم انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی سطح پر ہوں جن کو علماء کے ایک بورڈ کی مدد سے کیا جائے۔ اسی کے ساتھ ساتھ حدیثوں کے بھی جامع و مستند مجموعے تیار ہوں اور سیرت پر بھی معیاری کتب تیار کی جائیں۔[1]

کسی بھی نظریہ کی دعوت خواہ کتنی ہی پر اثر طریقہ پر کیوں نہ ہو اور خود وہ نظریہ خواہ کتنا

---

(۱) پیام رحمت، ڈاکٹر محمد ذکی

ہی اچھا کیوں نہ ہو جب تک اس نظریہ کا عمل میں اظہار نہ ہو خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ اس لیے غیر مسلموں میں دین کی دعوت کے برابر ہی مسلم سماج کی اصلاح کے کام کو بھی سمجھنا چاہیے۔

دعوت دین کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو مجموعی طور پر اپنا اخلاقی تشخص منوانا ہوگا، تاکہ وہ مختلف لگیں۔ تب ہی تو غیر مسلموں میں مسلمان اور ان کے مذہب اسلام سے متعلق کشش پیدا ہوگی۔

ماخذ

۱- پروفیسر عمر حیات خاں غوری، غیر مسلم ذہن کے شبہات اور ہمارا موقف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

۲- سیرۃ ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۹۷

۳- فتح الباری، ج ۱، ص ۱۹۰

۴- پروفیسر محسن عثمانی، دعوت اسلام، یونیورسل پیس فاؤنڈیشن نئی دہلی، ۲۰۰۱ء

۵- مولانا وحید الدین خاں، دعوت حق، الرسالہ نئی دہلی، ۱۹۹۸ء

۶- مولانا امین احسن اصلاحی، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، مرکزی مکتبہ اسلامی نئی دہلی، ۱۹۹۵ء

۷- ڈاکٹر محمد ذکی، پیام رحمت، بیکن پبلشرز علی گڑھ، ۲۰۰۱ء